ISSN: 2321-8339
جنوری-مارچ ۲۰۲۱ء

ادارہ تحقیق و تصنیفِ اسلامی کا ترجمان

سہ ماہی

تحقیقاتِ اسلامی

علی گڑھ

قرآن کی صداقت کے دلائل
سید جلال الدین عمری

حافظ فرمان علی کے ترجمۂ قرآن کا تنقیدی جائزہ
ڈاکٹر انعام اللہ وٹو

قدیم انگریزی ادب اور اسلام
جناب زریاب احمد فلاحی

مستشرقین کا تیار کردہ اشاریۂ حدیث
ڈاکٹر محمد رضی الاسلام ندوی

مالی تعزیر (جرمانہ) کا شرعی حکم
مولانا ولی اللہ مجید قاسمی

مکی عہدِ نبویؐ میں نوجوان صحابہ اور ان کی خدمات
جناب عابد الحسن

مولانا محمد سالم قاسمیؒ۔اتحادِ امت کے داعی
سید جلال الدین عمری

تعارف و تبصرہ

ادارۂ تحقیق و تصنیف اسلامی کی

اہم مطبوعات

معرکۂ اسلام و جاہلیت	مولانا صدر الدین اصلاحی	110.00
اسلام۔ایک نجات دہندہ تحریک	مولانا سلطان احمد اصلاحی	90.00
عصر حاضر کا سماجی انتشار اور اسلام کی رہ نمائی	مولانا سلطان احمد اصلاحی	125.00
عصر حاضر کی نفسیاتی الجھنیں اور ان کا اسلامی حل	مولانا سلطان احمد اصلاحی	80.00
اکیسویں صدی کے سماجی مسائل اور اسلام	ڈاکٹر محمد رضی الاسلام ندوی	140.00
قرآن، اہل کتاب اور مسلمان	ڈاکٹر محمد رضی الاسلام ندوی	70.00
گھریلو تشدد اور اسلام	ڈاکٹر محمد رضی الاسلام ندوی	30.00
حقائق اسلام۔ بعض اعتراضات کا جائزہ	ڈاکٹر محمد رضی الاسلام ندوی	56.00
حضرت ابراہیم۔امامِ انسانیت	ڈاکٹر محمد رضی الاسلام ندوی	85.00
ہم جنسیت کا فتنہ	ڈاکٹر محمد رضی الاسلام ندوی	28.00
احیائے اسلام: مفہوم۔مسایل، تقاضے	مولانا محمد جرجیس کریمی	85.00
جرائم اور اسلام	مولانا محمد جرجیس کریمی	85.00
قرآن مجید اور مستشرقین	مولانا محمد جرجیس کریمی	72.00
اتحادِ امت کا مسئلہ: چند اہم گوشے	مولانا محمد جرجیس کریمی	34.00
اسلام کی امتیازی خصوصیات	مولانا محمد جرجیس کریمی	100.00
سیرتِ نبوی پر اعتراضات کا جائزہ	ڈاکٹر محمد شمیم اختر قاسمی	130.00
ملت اسلامیہ کے اختلافات	مولانا ضمیر الحسن فلاحی	65.00
قیامِ امن اور اسلام	مولانا کمال اختر قاسمی	100.00

ملنے کے پتے:

ادارۂ تحقیق و تصنیف اسلامی
نبی نگر، پوسٹ بکس نمبر: ۹۳، علی گڑھ۔ ۲

مرکزی مکتبہ اسلامی پبلشرز
D-307، ابوالفضل انکلیو، نئی دہلی۔ ۲۵

ادارۂ تحقیق وتصنیفِ اسلامی کا ترجمان

سہ ماہی

تحقیقاتِ اسلامی

علی گڑھ

جنوری ـــــــ مارچ ۲۰۲۱ء

مدیر

سیّد جلال الدین عمری

معاون مدیر

محمد رضی الاسلام ندوی

ادارۂ تحقیق وتصنیف اسلامی

نبی نگر (جمال پور)، پوسٹ بکس نمبر ۹۳، علی گڑھ ـ ۲۰۲۰۰۲

ISSN: 2321-8339

سہ ماہی **تحقیقات اسلامی** علی گڑھ

جلد: ۴۰ شمارہ: ۱

جمادی الاخریٰ ــــــــ شعبان ۱۴۴۲ھ

جنوری ــــــــ مارچ ۲۰۲۱ء

- مجلہ کے تمام شمارے www.tahqeeqat.net پر اپ لوڈ کر دیے گئے ہیں۔
- مقالہ نگار حضرات اپنے مقالات tahqeeqat@gmail.com پر ارسال کریں۔
- انتظامی امور سے متعلق رابطہ کے ذرائع:

موبائل: 09837476030، 09720357820، 09897746586

ای میل: idaratahqeeq2016@gmail.com

اکاؤنٹ نمبر: Tehqeeqat-e-Islami, Union Bank of India: Muslim University, Aligarh

A/. No. 452201010029001, IFSC, UBIN0545228

زرِ تعاون

اندرونِ ملک		برائے پاکستان	
فی شمارہ	۵۰ روپے	سالانہ (انفرادی)	۲۵ امریکی ڈالر
سالانہ	۲۰۰ روپے	سالانہ (ادارے)	۳۰ امریکی ڈالر
پانچ سال کے لیے	۸۰۰ روپے	برائے دیگر ممالک	
سالانہ (لائبریریاں اور ادارے)	۳۰۰ روپے	سالانہ (انفرادی)	۳۰ امریکی ڈالر
		سالانہ (ادارے)	۳۵ امریکی ڈالر

طابع و ناشر سید جلال الدین عمری نے بھارت آفسیٹ دہلی۔۶ سے چھپوا کر ادارۂ تحقیق و تصنیفِ اسلامی، نبی نگر (جمال پور) علی گڑھ سے شائع کیا

فہرست مضامین

حرف آغاز

قرآن کی صداقت کے دلائل | سید جلال الدین عمری | ۵

تحقیق وتنقید

حافظ فرمان علی کے ترجمۂ قرآن کا تنقیدی جائزہ | ڈاکٹر انعام اللہ وٹو | ۱۷

قدیم انگریزی ادب اور اسلام | جناب زریاب احمد فلاحی | ۳۵

بحث ونظر

مستشرقین کا تیار کردہ اشاریۂ حدیث | ڈاکٹر محمد رضی الاسلام ندوی | ۵۳

مالی تعزیر (جرمانہ) کا شرعی حکم | مولانا ولی اللہ مجید قاسمی | ۷۳

مکی عہدِ نبویؐ میں نوجوان صحابہ اور ان کی خدمات | جناب عابد الحسن | ۹۳

سیر وسوانح

مولانا محمد سالم قاسمیؒ۔ اتحادِ امت کے داعی | سید جلال الدین عمری | ۱۰۹

تعارف وتبصرہ

بچوں کی تربیت کے رہنما اصول | مولانا محمد انس فلاحی مدنی | ۱۱۵

اہم عصری مسائل — تجزیہ اور حل | مولانا محمد صادر ندوی | ۱۱۷

خبرنامہ ادارۂ تحقیق وتصنیف اسلامی (۷۸) | ادارہ | ۱۱۹

مضامین کا انگریزی خلاصہ | ۱۲۱ —۱۲۸

اس شمارے کے لکھنے والے

۱۔ ڈاکٹر انعام اللہ وٹو

اسسٹنٹ پروفیسر، ڈپارٹمنٹ آف سوشل اینڈ اپلائیڈ سائنسز، کولستان یونی ورسٹی، بہاول پور (پاکستان)

inamullah@cuvas.edu.pk

۲۔ جناب زریاب احمد فلاحی

نٹھو پٹی، چاند پٹی، اعظم گڑھ

zaryabahmadteacher@gmail.com

۳۔ ڈاکٹر محمد رضی الاسلام ندوی

مدیر معاون سہ ماہی تحقیقاتِ اسلامی علی گڑھ

mrnadvi@gmail.com

۴۔ مولانا ولی اللہ مجید قاسمی

شیخ الحدیث جامعۃ الفلاح، بلریا گنج، اعظم گڑھ

wmgasmi@gmail.com

۵۔ جناب عابد الحسن

میرپور یونی ورسٹی آف سائنس اینڈ ٹکنالوجی، میرپور (پاکستان)

auhsmm@gmail.com

۶۔ مولانا محمد انس فلاحی مدنی

رکن ادارۂ تحقیق وتصنیف اسلامی علی گڑھ

anasfalahi@gmail.com

۷۔ مولانا محمد صادر ندوی

اسکالر ادارۂ تحقیق وتصنیف اسلامی علی گڑھ

sadiralam943@gmail.com

۸۔ سید جلال الدین عمری

صدر ادارۂ تحقیق وتصنیف اسلامی علی گڑھ

حرف آغاز

قرآن کی صداقت کے دلائل

سید جلال الدین عمری

قرآن مجید نے اپنی حقانیت اور صداقت کے جو دلائل پیش کیے ہیں انھیں تین عنوانوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے: ۱۔ آفاقی دلائل۔ ۲۔ نفسیاتی دلائل اور ۳۔ تاریخی دلائل۔ [۱] پہلے دو طرح کے دلائل کا حوالہ ایک جگہ اس طرح دیا گیا ہے:

سَنُرِيهِمْ آيَاتِنَا فِي الْآفَاقِ وَفِي أَنفُسِهِمْ حَتَّىٰ يَتَبَيَّنَ لَهُمْ أَنَّهُ الْحَقُّ۔ (فصلت: ۵۳)

ہم جلد ہی ان کو اپنی نشانیاں دکھادیں گے، آفاق (عالم) میں اور خود ان کے نفوس میں، یہاں تک کہ ان پر کھل جائے گا کہ یہ قرآن برحق ہے۔

دلائل آفاق

دلائل آفاق کو عقلی دلائل بھی کہا جاسکتا ہے۔ انسان اپنی عقل سے کام لے تو قرآن کی صداقت اس پر بے نقاب ہوسکتی ہے۔ قرآن بار بار توجہ دلاتا ہے کہ یہ فضائے بسیط، جس کا تم آسانی سے تصور بھی نہیں کرسکتے، یہ آسمان، زمین، ستارے، سیارے اور بحر و بر، خدا کی قدرتِ بے پایاں کی گواہی دے رہے ہیں اور اس بات کی دعوت دے رہے ہیں کہ انسان کو صرف اللہ واحد کا بندہ ہونا چاہیے۔ کسی دوسرے کی عبادت واطاعت کا اس کے لیے کوئی جواز نہیں ہے۔ اللہ کے پیغمبر اسی حقیقت سے آگاہ کرتے ہیں اور بتاتے ہیں کہ خدا کا انکار یا اس کی نافرمانی سخت تباہ کن ہے۔ ان دلائل کی طرف

۱۔ ملاحظہ ہو: راقم کی کتاب 'تجلیات قرآن'، مضمون 'قرآن مجید کا تعارف'، ص ۹۴ ۔ ۱۰۳۔ یہاں موضوع کے بعض نئے پہلو زیر بحث آئے ہیں۔

قرآن نے جگہ جگہ توجہ دلائی ہے۔ ارشاد ہے:

إِنَّ فِيْ خَلْقِ السَّمٰوَاتِ وَالأَرْضِ وَاخْتِلَافِ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ لآيَتٍ لِأُوْلِيْ الأَلْبَابِ (آل عمران:۱۹۰)

بے شک آسمانوں اور زمین کی تخلیق میں اور شب وروز کی آمد ورفت میں عقل مندوں کے لیے بڑی نشانیاں ہیں۔

ایک اور جگہ ارشاد ہے:

قُلِ انظُرُواْ مَاذَا فِيْ السَّمٰوَاتِ وَالأَرْضِ وَمَا تُغْنِيْ الآيٰتُ وَالنُّذُرُ عَن قَوْمٍ لاَّ يُؤْمِنُوْن (یونس:۱۰۱)

ان سے کہو کہ دیکھو جو کچھ ہے آسمانوں اور زمین میں۔ لیکن بے سود ہیں آیات (نشانیاں) اور ڈرانے والے ان لوگوں کے لیے جو ایمان نہیں رکھتے۔

ایک اور آیت میں غور وفکر کی دعوت ان الفاظ میں دی گئی ہے:

أَوَلَمْ يَرَوْا كَيْفَ يُبْدِئُ اللّٰهُ الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهُ إِنَّ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرٌ قُلْ سِيْرُوا فِيْ الْأَرْضِ فَانظُرُوا كَيْفَ بَدَأَ الْخَلْقَ ثُمَّ اللّٰهُ يُنشِئُ النَّشْأَةَ الْآخِرَةَ إِنَّ اللّٰهَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ (العنکبوت:۱۹،۲۰)

کیا انھوں نے نہیں دیکھا کہ اللہ کس طرح تخلیق کی ابتدا کرتا ہے۔ پھر (روز قیامت) اسی کا اعادہ کرے گا۔ یہ اللہ کے لیے آسان ہے۔ کہو: زمین میں چلو پھرو اور دیکھو، اللہ نے کیسے تخلیق کا آغاز کیا۔ پھر وہی اللہ دوبارہ زندگی دے کر اٹھائے گا۔ بے شک اللہ ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے۔

حیرت ہے انسان کی غفلت پر کہ وہ کائنات میں موجود ان دلائل پر غور نہیں کرتا اور ان سے مطلوبہ نتائج نہیں اخذ کرتا:

أَوَلَمْ يَتَفَكَّرُوا فِيْ أَنفُسِهِمْ مَا خَلَقَ اللّٰهُ السَّمٰوَاتِ وَالْأَرْضَ وَمَا بَيْ[ ]نَهُمَا إِلَّا بِالْحَقِّ وَأَجَلٍ مُسَمًّى وَإِنَّ كَثِيْراً مِنَ النَّاسِ بِلِقَآئِ رَبِّهِمْ لَكٰفِرُوْن[ ] (الروم:۸)

کیا انھوں نے اپنے دل میں غور نہیں کیا کہ اللہ نے آسمانوں اور زمین کو اور جو کچھ اس کے درمیان ہے اسے حکمت ہی کے تحت پیدا کیا ہے اور ایک مقررہ مدت کے لیے۔ لیکن بیش تر انسان اپنے رب سے ملنے (آخرت) کا انکار کرتے ہیں۔

قرآن پورے وثوق اور اطمینان کے ساتھ کہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی پیدا کردہ یہ

پوری کائنات اس کی صداقت کی دلیل ہے۔ انسان عقل وفہم سے کام لے تو دیکھے گا کہ یہ ہر طرف سے اس کے حق ہونے کی شہادت دے رہی ہے اور اس کی تائید کر رہی ہے۔

انسان کی نفسیات

انسان کی فطرت میں وجود باری تعالیٰ اور اس کی وحدانیت کا تصور پیوست ہے، لیکن ماحول کی ابتری اور غلط تعلیم وتربیت اس کی فطرت سلیمہ پر پردہ ڈال دیتی ہے۔ انسان غور وفکر سے کام لے تو یہ پردہ چاک ہوجاتا اور اصل فطرت ابھر کر سامنے آجاتی ہے۔ قرآن نے ایک جگہ فرمایا: ''خدا کی زمین میں اس کی قدرت کی بہت سی نشانیاں ہیں۔ جو انسان میں ایمان ویقین پیدا کرتی ہیں''۔ اس کے بعد فرمایا: وَفِیۡ أَنفُسِكُمۡ أَفَلَا تُبۡصِرُونَ (الذاریات:۲۱) ''خود تمہارے نفوس کے اندر اس کا ثبوت موجود ہے۔ کیا تم اسے نہیں دیکھتے ہو؟'' اسی وجہ سے انسان جب نازک حالات میں گھر جاتا ہے تو اللہ واحد کو آواز دینے پر مجبور ہوجاتا ہے۔ (یونس:۲۲)

انسان معبودانِ باطل کی، چاہے ہزار پرستش کرے، لیکن یہ اس کی فطرت کے خلاف ہے کہ وہ اس عظیم کائنات کو اپنی آنکھوں سے دیکھے اور اس کے خالق کا انکار کرے:

وَلَئِن سَأَلۡتَهُم مَّنۡ خَلَقَ السَّمٰوَاتِ وَالۡأَرۡضَ وَسَخَّرَ الشَّمۡسَ وَالۡقَمَرَ لَيَقُولُنَّ اللّٰهُ فَأَنَّى يُؤۡفَكُونَ (العنکبوت:٦١)	اگر تم ان سے پوچھو کہ کس نے پیدا کیا آسمانوں اور زمین کو اور سورج اور چاند کو مسخر کیا تو وہ ضرور یہی کہیں گے کہ یہ سب کچھ اللہ نے کیا۔ پھر کہاں سے یہ بہک جاتے ہیں؟

ایک اور مقام پر ان کے اعترافِ حقیقت کا ذکر ان الفاظ میں ہے:

وَلَئِن سَأَلۡتَهُم مَّنۡ خَلَقَ السَّمٰوَاتِ وَالۡأَرۡضَ لَيَقُولُنَّ خَلَقَهُنَّ الۡعَزِيزُ الۡعَلِيمُ (الزخرف:۹)	اگر تم ان سے پوچھو کہ کس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا ہے تو وہ ضرور یہی کہیں گے کہ ان کو اس ہستی نے پیدا کیا جو بڑی طاقت والی اور علم والی ہے۔

اللہ تعالیٰ ہی کو خالق ارض وسما ماننے کے بعد شرک کے لیے کوئی وجہِ جواز نہیں ہے، لیکن اس کے باوجود انسان مبتلائے شرک ہوجاتا ہے۔ قرآن مجید نے انسان کی اس بے عقلی اور تضادِ ذہنی کا جگہ جگہ ذکر کیا ہے اور خدائے واحد کو ماننے کے تقاضے واضح کیے ہیں۔ سورہ المومنون (۸۴۔۸۹) میں اس کی کسی قدر تفصیل ملتی ہے۔ فرمایا:

''ان سے پوچھو کہ یہ زمین وآسمان کس کے ہیں؟ وہ ضرور کہیں گے کہ یہ اللہ ہی کے ہیں۔ کہو، پھر تم سوچتے کیوں نہیں ہو؟ ان سے معلوم کرو کہ ساتوں آسمانوں اور عرش عظیم کا رب (مالک) کون ہے؟ ان کا جواب ہوگا کہ اللہ ہی ان کا رب ہے۔ کہو، اس کے باوجود تم اس سے ڈرتے نہیں ہو۔ ان سے کہو اگر تم جانتے ہو تو بتاؤ کہ دنیا کی ہر چیز کس کے قبضۂ قدرت میں ہے؟ وہ پناہ دیتا ہے۔ اس کے مقابلہ میں کوئی کسی کو پناہ نہیں دے سکتا۔ وہ جواب دیں گے کہ یہ قوت اللہ ہی کو حاصل ہے۔ کہو، آخر کس کا جادو تم پر چل گیا ہے؟'' آخر میں فرمایا:

بَلْ أَتَیْ □ نٰھُم بِالْحَقِّ وَإِنَّھُمْ لَکٰذِبُونَ (المومنون:۹۰)
بلکہ ہم تو ان کے پاس حق لے آئے ہیں، لیکن وہ اس کی تکذیب کررہے ہیں۔

اس اتمام حجت کا ایک اور نمونہ سورۂ نمل میں موجود ہے (ملاحظہ ہو: آیات ۵۹۔۶۴)

دلایلِ تاریخ

قرآن مجید کے دلائل کی تیسری قسم تاریخی ہے۔ ان دلائل کو قرآن 'ایام اللہ' سے تعبیر کرتا ہے۔ یعنی وہ 'ایام' جن میں قومیں اللہ کی نافرمانی اور رسولوں کی مخالفت کے نتیجے میں پیوند خاک کردی گئیں۔ ان 'ایام' کا ذکر اس نے اس لیے کیا ہے تاکہ ان پر غور کیا جائے اور ان سے عبرت اور نصیحت حاصل کی جائے۔ ایک جگہ حضرت موسی کی بعثت کا ذکر ہے۔ فرمایا:

وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا مُوسَى بِآيَاتِنَا أَنْ أَخْرِجْ قَوْمَكَ مِنَ الظُّلُمَاتِ إِلَى النُّورِ وَذَكِّرْهُمْ بِأَيَّامِ اللَّهِ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَاتٍ لِكُلِّ صَبَّارٍ شَكُورٍ (ابراہیم:۵)

اور بے شک ہم نے موسیٰ کو اپنی نشانیوں کے ساتھ بھیجا اور کہا کہ اپنی قوم کو ظلمات سے نکال کر روشنی میں لے آ ؤ اور انہیں 'ایام اللہ' کے ذریعہ نصیحت کرو۔ بے شک اس میں نشانیاں ہیں ہر اس شخص کے لیے جو صبر کرنے والا اور شکر گزار ہے۔

قرآن مجید نے بہت تفصیل سے ان قوموں کا ذکر کیا ہے۔ جنہوں نے رسولوں کی مخالفت کی اور اللہ کے غضب کا نشانہ بنیں۔ سورۃ توبہ میں ان کا ذکر ان الفاظ میں آیا ہے:

أَلَمْ يَأْتِهِمْ نَبَأُ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ قَوْمِ نُوحٍ وَعَادٍ وَثَمُودَ وَقَوْمِ إِبْرَاهِيمَ وَأَصْحَابِ مَدْيَنَ وَالْمُؤْتَفِكَاتِ أَتَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنَاتِ فَمَا كَانَ اللَّهُ لِيَظْلِمَهُمْ وَلَٰكِنْ كَانُوا أَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُونَ (التوبۃ:۷۰)

کیا ان تک ان قوموں کا حال نہیں پہنچا جو ان سے پہلے گزری ہیں۔ قوم نوح، عاد اور ثمود، قوم ابراہیمؑ اور مدین کے لوگ (قوم شعیب) اور وہ بستیاں جو الٹ دی گئیں (قوم لوط)۔ ان کے رسول واضح دلائل کے ساتھ ان کے پاس آئے (لیکن انہوں نے ان کی بات نہ مانی اور ہلاک ہوئیں۔) اللہ کی ذات ایسی نہیں ہے کہ ان پر ظلم کرے، وہ خود اپنے اوپر ظلم کررہے تھے۔

سورۃ ق میں ارشاد ہے:

كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمُ نُوحٍ وَأَصْحَابُ الرَّسِّ وَثَمُودُ وَعَادٌ وَفِرْعَوْنُ وَإِخْوَانُ لُوطٍ وَأَصْحَابُ الْأَيْكَةِ وَقَوْمُ تُبَّعٍ كُلٌّ كَذَّبَ الرُّسُلَ فَحَقَّ وَعِيدِ (ق:۱۲، ۱۳، ۱۴)

ان سے پہلے جھٹلایا قوم نوح، اصحاب الرس (کنویں والے جس کے اطراف وہ آباد تھے)، قوم ثمود، قوم عاد، فرعون (کی قوم) اور لوط کے بھائی اور باغ والے (قوم شعیب) اور تبّع کی قوم۔ ان سب نے رسولوں کی تکذیب کی اور میری وعید پوری ہوکر رہی۔ ا؎

قرآن مجید نے اپنے مخالفین سے کہا کہ رسولوں کی مخالفت کا انجام تمہارے سامنے ہے۔ کیا اس سے سبق نہیں حاصل کروگے؟ کیا محمد ﷺ کی مخالفت کرکے اسی

ا۔ اس کی کسی قدر تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: تجلیات قرآن، مضمون 'قومیں کیوں ہلاک ہوتی ہیں۔ ص ۱۸۳۔۱۹۸

انجام سے دوچار ہونا چاہتے ہو؟

فَهَلْ يَنتَظِرُونَ إِلَّا مِثْلَ أَيَّامِ الَّذِينَ خَلَوْا مِن قَبْلِهِمْ قُلْ فَانتَظِرُوا إِنِّي مَعَكُم مِّنَ الْمُنتَظِرِينَ (یونس:۱۰۲)

کیا وہ انتظار کرتے ہیں اسی جیسے ’ایام‘ کا جو ان سے پہلے آچکے ہیں۔ کہو، انتظار کرو، میں بھی تمہارے ساتھ انتظار کرتا ہوں۔

ایک خاص پس منظر میں کہا گیا:

فَاقْصُصِ الْقَصَصَ لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُونَ ◻ (الاعراف:۱۷۶)

ماضی کے واقعات بیان کرو، تاکہ یہ لوگ ان پر غور کریں۔

اللہ کے رسول ان تینوں طرح کے دلائل کے ساتھ اپنی بات پیش کرتے ہیں، لیکن مخالفین کی نخوت اور استکبار ان پر غور کرنے سے انہیں باز رکھتا ہے۔

قرآن مجید تاریخ کی کتاب نہیں ہے۔ اس نے تاریخ عالم نہیں بیان کی ہے، بلکہ رسالت کی تاریخ پیش کی ہے اور بتایا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے رسولوں کی مخالفت اس کے غضب کو دعوت دیتی ہے۔ اس سے قومیں حرفِ غلط کی طرح مٹا دی جاتی ہیں۔

رسول اللہ ﷺ سے کہا گیا کہ آج آپ کی تکذیب اور مخالفت ہو رہی ہے تو آپؐ سے پہلے بھی رسولوں کے ساتھ ان کے مخاطبین نے یہی رویہ اختیار کیا اور انجامِ بد سے دوچار ہوئے۔ آپ کے مخالفین کو جان لینا چاہیے کہ ان کا بھی یہی حشر ہوگا۔ آپؐ استقامت کے ساتھ کارِ دعوت جاری رکھیں:

وَلَقَدْ كُذِّبَتْ رُسُلٌ مِّن قَبْلِكَ فَصَبَرُوا عَلَىٰ مَا كُذِّبُوا وَأُوذُوا حَتَّىٰ أَتَاهُمْ نَصْرُنَا وَلَا مُبَدِّلَ لِكَلِمَاتِ اللَّهِ وَلَقَدْ جَاءَكَ مِن نَّبَإِ الْمُرْسَلِينَ (الانعام:۳۴)

آپ سے پہلے بہت سے پیغمبروں کی تکذیب کی گئی ہے۔ انہوں نے اس پر صبر کیا۔ انہیں اذیتیں دی گئیں۔ بالآخر ہماری مدد ان کو پہنچی۔ اللہ کے قوانین میں تبدیلی نہیں ہوتی۔ آپ کے پاس پیغمبروں کے واقعات آچکے ہیں۔[۱]

اللہ کے رسولوں کو بے عقل کہا گیا

۱۔ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ مخالفین کے غیر عقلی رویہ کی کسی قدر تفصیل راقم کے مضمون ’عقلی استدلال اور علم واخلاق کا تعلق‘ میں دیکھی جاسکتی ہے۔ ملاحظہ ہو: سہ ماہی تحقیقات اسلامی علی گڑھ، اپریل — جون ۲۰۲۰ء

حضرت نوحؑ اولوالعزم اور پہلے صاحب شریعت پیغمبر تھے۔ان کی قوم مبتلائے شرک تھی اور بتوں کی پرستش کرتی تھی۔ انہوں نے قوم کو توحید کی دعوت دی اور کہا کہ خدا کے انکار اور اس کی نافرمانی پر عذاب آخرت میں پکڑے جاؤ گے۔اس کے جواب میں سردارانِ قوم نے کہا:

إِنَّا لَنَرَاكَ فِيْ ضَلاَلٍ مُّبِيْن ہم دیکھتے ہیں کہ تم ضلالت اور گمرہی میں مبتلا ہو۔
(الاعراف:۶۰)

حضرت نوحؑ نے بالکل دل سوزی سے کہا:یَا قَوْمِ لَيْسَ بِيْ ضَلاَلَةٌ وَ لٰكِنِّيْ رَسُوْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعَالَمِيْنَ۔''اے میری قوم میں بہکا ہوا اور گم راہ نہیں ہوں۔ میں تو رب العالمین کا فرستادہ ہوں۔'' میں تمہارا خیر خواہ ہوں۔تم تک اپنے رب کے پیغامات پہنچا رہا ہوں اور اللہ نے مجھے ان حقائق سے آگاہ کیا ہے جو تم نہیں جانتے۔ کیا تمہیں اس پر تعجب ہو رہا ہے کہ تم ہی میں کے ایک فرد کے ذریعہ سے تمہاری تذکیر ہو رہی ہے اور تمہیں اپنے انجام سے آگاہ کیا جا رہا ہے، تا کہ تم اللہ تعالیٰ کی معصیت اور نافرمانی سے بچو اور اس کی رحمت کے مستحق بن جاؤ۔لیکن حضرت نوحؑ کی قوم نے اس خیر خواہی کو قبول نہیں کیا اور وہ خدائی سیلاب میں غرق ہوگئے۔سورۃ الاعراف:۵۹۔۶۸۔سورۃ ہود: ۲۵۔۴۸ میں اس کا ذکر تفصیل سے آیا ہے۔

حضرت نوحؑ کی دعوت ، اس راہ میں ان کی طویل جدو جہد اور اس کے انکار کے نتائج کا سورۃ نوح میں تفصیل سے بیان ہے۔

حضرت نوحؑ کے بعد قوم عاد صفحۂ تاریخ پر ابھری۔ اس میں حضرت ہودؑ کی بعثت ہوئی۔ ان کی دعوت بھی یہی تھی کہ اللہ تعالیٰ کی بندگی اختیار کی جائے اور اس کی نافرمانی سے اجتناب کیا جائے۔قوم کے سرداروں نے اسے بے وقوفی قرار دیا:

إِنَّا لَنَرٰكَ فِيْ سَفَاهَةٍ وَإِنَّا لَنَظُنُّكَ مِنَ الْكٰذِبِيْنَ (الاعراف:۶۰) ہم تمہیں جاہل اور عقل سے عاری سمجھتے ہیں اور ہمارا خیال ہے کہ تم رسالت کا جھوٹا دعویٰ کر رہے ہو۔

اس پر ان کا جواب بھی وہی تھا جو حضرت نوحؑ کا تھا کہ اے میری قوم! میں بے عقل نہیں ہوں، بلکہ رب العالمین کا فرستادہ ہوں۔میرا کام اس کے پیغامات تم تک

پہنچاتا ہے اور وہ بے کم وکاست پہنچا رہا ہوں۔ میں تمہارا خیر خواہ اور امانت دار رسول ہوں۔سوچو کہ اللہ نے قوم نوح کے بعد تمہیں اقتدار دیا۔جسمانی لحاظ سے توانا اور مضبوط بنایا۔اللہ کے ان احسانات کو یاد کرو۔اس طرح فلاح پاؤ گے۔

قوم نے جواب دیا کہ کیا تم چاہتے ہو کہ ہم ایک خدا کی بندگی کریں اور باپ دادا جن کی عبادت کرتے تھے ان سے کنارہ کش ہو جائیں، یہ نہیں ہوسکتا۔جس عذاب کی دھمکی دے رہے ہو وہ لے آؤ۔

حضرت ہودؑ نے کہا:تم بے دلیل مجھ سے بحث کر رہے ہو۔اب اللہ کے عذاب ہی کا انتظار کرو۔ بالآخر وہ اللہ کے عذاب کی زد میں آ گئے۔مسلسل سات رات اور آٹھ دن آندھی اور طوفان نے ان کی جڑ ہی کاٹ دی اور وہ نسیاً منسیاً ہو کر رہ گئے۔(ملاحظہ ہو سورۃ اعراف:۶۵۔۷۹۔سورۃ الشعراء:۱۲۳۔۱۵۸۔سورۃ احقاف۔سورۃ الحاقۃ:۲۱۔۲۶۔)

ماضی کی متمدن قوموں کا حال

قرآن مجید نے جن قوموں کا حوالہ دیا ہے ان کی تاریخی حیثیت تسلیم شدہ ہے۔یہ نہیں کہا جاسکتا کہ ان قوموں کا وجود ہی نہیں تھا اور یہ واقعات وقوع پذیر ہی نہیں ہوئے۔البتہ ایک خیال یہ ہوسکتا ہے کہ اللہ کے رسول جن قوموں میں آئے وہ غیر متمدن اور پس ماندہ تھیں اور بدویانہ زندگی گزار رہی تھیں۔موجودہ ترقی یافتہ دور میں ان سے ہمیں کوئی راہ نمائی نہیں ملتی۔حالات کے فرق نے اس کی افادیت ختم کر دی ہے۔لیکن یہ خیال غلط ہے اور ان قوموں کی تاریخ سے ناواقفیت کا نتیجہ ہے۔

قرآن مجید نے عاد وثمود کی جو تاریخ بیان کی ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ جنگلوں اور پہاڑوں میں رہنے والے نیم وحشی یا خانہ بدوش قبائل نہیں تھے، بلکہ اپنے وقت کی ترقی یافتہ قومیں تھیں۔قوم عاد غربت وافلاس یا زیردستی ومحکومی کی زندگی نہیں گزار رہی تھی، بلکہ بااقتدار اور صاحب ثروت وسطوت تھی۔اس کی تفریح گاہیں تھیں، جن میں وہ دادِعیش دیتی تھی۔اتنی بڑی بڑی اور بلند وبالا عمارتیں اس نے تعمیر کی

تھیں، جیسے اسی دنیا میں اسے ابدال آباد رہنا ہے۔ یہ اس قدر طاقت ور تھی کہ کسی قوم سے مقابلہ ہوتا تو اسے پیس کر رکھ دیتی۔ قرآن نے ایک جگہ اس قوم کی شان وشوکت اور طاقت کا ذکر ان الفاظ میں کیا ہے:

أَلَمْ تَرَ كَيْفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِعَادٍ إِرَمَ ذَاتِ الْعِمَادِ الَّتِي لَمْ يُخْلَقْ مِثْلُهَا فِي الْبِلَادِ (الفجر: ۶ـ۸)

کیا تم نے نہیں دیکھا کہ تمہارے رب نے کیا کیا عاد، یعنی ارم کے ساتھ، جو بڑے ستونوں والے تھے۔ ان جیسی کوئی دوسری قوم ملکوں میں نہیں تھی۔

قوم عاد 'احقاف' میں آباد تھی۔ یہی اس کا مرکز اقتدار تھا۔ یہیں سے وہ اطراف کی قوموں پر یورش کرتی اور انہیں زیر کرتی۔ [۱]

قوم ثمود کو ہر طرح کی خوش حالی حاصل تھی۔ سرسبز وشاداب نخلستان تھے۔ اس کی تعمیرات حیرت انگیز تھیں، پہاڑوں کو تراش کر رہائش گاہیں تیار کرتی۔ اس نے عظیم یادگاریں قائم کی تھیں۔

یہ قومیں ناداں نہ تھیں۔ یوں بھی کسی بے عقل قوم سے اس طرح کے کارناموں کی توقع نہیں کی جاسکتی۔ قرآن نے ان کے بارے میں کہا:

وَعَاداً وَثَمُودَ وَقَد تَّبَيَّنَ لَكُم مِّن مَّسَاكِنِهِمْ وَزَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطَانُ أَعْمَالَهُمْ فَصَدَّهُمْ عَنِ السَّبِيلِ وَكَانُوا مُسْتَبْصِرِينَ (العنکبوت: ۳۸)

ہم نے عاد اور ثمود کو (ان کی معصیت کی وجہ سے) ہلاک کیا۔ ان کے علاقے تم پر واضح ہیں۔ شیطان نے ان کے اعمال کو ان کے لیے آراستہ کردیا اور سیدھے راستے سے انہیں روک دیا۔ حالاں کہ وہ سمجھ دار اور عقل مند تھے۔

حضرت ہودؑ نے اپنی قوم عاد کو اور حضرت صالحؑ نے اپنی قوم ثمود کو سمجھایا کہ تمھیں جو کچھ ملا ہے وہ اللہ تعالیٰ کا عطا کردہ ہے۔ تم میری بات مانو اور اللہ کی ہدایت اور اس کے

---

[۱] مولانا مودودیؒ نے قوم عاد کی تاریخ اور احقاف کی موجودہ صورت حال کی نقشہ کے ذریعہ وضاحت کی ہے۔ (تفہیم القرآن: سورۃ الاحقاف، جلد چہارم، ص ۶۱۳ـ۶۱۶)

احکام کے پابند ہوجاؤ۔ مفسدین کے پیچھے نہ چلو، ورنہ ڈر ہے کہ اللہ کا عذاب نہ آجائے۔انہوں نے کہا کہ ہماری خوش حالی اور ترقی اس بات کی دلیل ہے کہ ہم صحیح راہ پر گام زن ہیں۔ ہمیں کسی راہ نمائی کی ضرورت نہیں ہے۔لیکن اللہ اور اس کے رسول کے انکار اور آخرت فراموشی کے نتائج بد جب سامنے آئے تو وہ چیخ اٹھے کہ ہم نے غلط سوچا تھا اور اللہ اور اس کے رسول نے جو کہا وہی حق و صواب تھا۔ بال آخر خدا کے عذاب میں گرفتار ہوئے۔(ملاحظہ ہو سورۂ اعراف ۶۵:۔۷۹،سورۃ الشعراء ۱۲۳:۔۱۵۸،سورۃ احقاف ۲۱:۔۲۶)

قرآن مجید نے عاد وثمود کے علاوہ دیگر اقوام کا بھی ذکر کیا ہے، جو اپنے وقت کی متمدن اور طاقت ور قومیں تھیں، آسائش وراحت کے سارے اسباب رکھتی تھیں اور خوب دادعیش وعشرت دے رہی تھیں، لیکن جب انہوں نے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی روش اختیار کی اور اس کے رسولوں کی تذکیر ونصیحت کو قبول نہ کیا تو تباہ ہوگئیں۔

چھٹی صدی عیسوی میں رسول اللہ ﷺ کی عرب میں بعثت ہوئی۔ آپ کی بھی مخالفت ہونے لگی۔ قرآن نے بار بار اس تاریخ کا حوالہ دیا اور کہا کہ صدیاں گزرنے کے باوجود تمہیں وہ قوت اور شوکت نہیں حاصل ہے جو ان قوموں کو ملی تھی۔ تاریخ سے عبرت حاصل کرو اور اپنا رویہ تبدیل کرو، ورنہ اس بدترین انجام کو دیکھنے کے لیے تیار ہو جاؤ جو ماضی کی ان اقوام کا ہوا:

أَلَمْ يَرَوْا كَمْ أَهْلَكْنَا مِن قَبْلِهِم مِّن قَرْنٍ مَّكَّنَّاهُمْ فِي الْأَرْضِ مَا لَمْ نُمَكِّن لَّكُمْ وَأَرْسَلْنَا السَّمَاءَ عَلَيْهِم مِّدْرَارًا وَجَعَلْنَا الْأَنْهَارَ تَجْرِي مِن تَحْتِهِمْ فَأَهْلَكْنَاهُم بِذُنُوبِهِمْ وَأَنشَأْنَا مِن بَعْدِهِمْ قَرْنًا آخَرِينَ (الانعام:۶)

کیا انہوں نے نہیں دیکھا کہ ان سے پہلے کتنی ہی قوموں کو ہم نے ہلاک کردیا۔ان کو ہم نے زمین میں وہ اقتدار دیا تھا جو تمہیں نہیں دیا۔ہم نے آسمان سے ان کے لیے لگاتار بارش برسائی اور ان کے نیچے نہریں جاری کردیں (وہ قحط سالی سے کبھی دوچار نہ ہوئیں، لیکن اس کی انہوں نے قدر نہیں کی) ان گناہوں کی وجہ سے ہم نے انہیں ہلاک کردیا اور ان کے بعد دوسری قوموں کو اٹھایا۔

ایک اور جگہ ارشاد ہے کہ ان قوموں کے مقابلہ میں تمہاری حیثیت دس فی صد بھی نہیں ہے۔ پھر کس بنیاد پر تم اللہ کے رسول کی مخالفت کی جرأت کر رہے ہو؟

وَ كَذَّبَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ وَ مَا بَلَغُوْا مِعْشَارَ مَا آتَيْنٰهُمْ فَكَذَّبُوْا رُسُلِيْ فَكَيْفَ كَانَ نَكِيْرِ (سبا: ۴۵)

ان سے پہلے کی قوموں نے بھی رسولوں کی تکذیب کی۔ جو ہم نے ان کو دیا تھا اس کے دسویں حصہ کو بھی یہ نہیں پہنچے۔ انہوں نے رسولوں کو جھٹلایا۔ دیکھو میرے انکار کا کیا انجام ہوا؟

قرآن مجید میں جن قوموں کی ہلاکت اور تباہی کا ذکر ہے، ان کی سائنسی توجیہ تلاش کی جاسکتی ہے۔ انہیں غیر معمولی حادثات بھی کہا جاسکتا ہے، جو کبھی کبھی پیش آتے ہیں۔ لیکن اللہ کے رسولوں کا بیان ہے کہ ان قوموں کی تباہی بے وجہ یا اتفاقی نہیں تھی، بلکہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی، اس کی ہدایت سے بے نیازی اور اپنے علم وفن پر غرور کی بنا پر تھی۔ یہ بات ہر رسول نے اپنے اپنے دور میں کہی۔ اختلافِ زمان ومکان کے باوجود ان کا اس پر اتفاق رہا ہے۔ سوال یہ ہے کہ کیا ہم اسے نظرانداز کرسکتے ہیں؟

موجودہ دور بھی یہی تاریخ دہرا رہا ہے۔ وہ اپنی مادی ترقی اور خوش حالی کے نشے میں اس قدر سرشار ہے کہ اس کا ذہن اس فکر وخیال ہی سے خالی ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی ہدایت کا محتاج ہے اور اسے اس کی معصیت اور نافرمانی سے دامن کش رہنا چاہیے۔ وہ اللہ کے رسولوں کو سفیہ اور نادان کہنے کی جرأت تو نہیں کر رہا ہے، لیکن ان کی تعلیمات کو اس طرح نظرانداز کر رہا ہے جیسے وہ اس کے لیے قابل التفات ہی نہیں ہیں۔ کہیں وہ اس انجام کی طرف تو نہیں بڑھ رہا ہے جو ماضی کی ان اقوام کا ہوا، جن کی سرکشی نے ان کی مہلت حیات ان سے چھین لی اور وہ حرف غلط کی طرح مٹادی گئیں۔؟

اعلانِ ملکیت، سہ ماہی تحقیقاتِ اسلامی، فارم: ۵، رول: ۱۰

۱۔مقام اشاعت: نبی نگر، (جمال پور)، علی گڑھ

۲۔نوعیت اشاعت: سہ ماہی

۳۔ پرنٹر پبلشر: سید جلال الدین عمری

۴۔قومیت: ہندوستانی

پتہ: دعوت نگر، ابوالفضل انکلیو، نئی دہلی – ۲۵

۵۔ایڈیٹر: سید جلال الدین عمری،

پتہ: دعوت نگر، ابوالفضل انکلیو، نئی دہلی – ۲۵

۶۔ملکیت: ادارۂ تحقیق وتصنیفِ اسلامی،

نبی نگر، (جمال پور)، علی گڑھ

بنیادی ارکان کے اسمائے گرامی

۱۔مولانا سید جلال الدین عمری (صدر)

دعوت نگر، ابوالفضل انکلیو، نئی دہلی – ۲۵

۲–مولانا اشہد جمال ندوی (سکریٹری)

الحفیظ اپارٹمنٹ، نیوسر سید نگر علی گڑھ ۔ ا

۳– ڈاکٹر محمد رضی الاسلام ندوی (رکن)

دعوت نگر، ابوالفضل انکلیو، نئی دہلی ۔ ۲۵

۴۔جناب نصرت علی (رکن)

دعوت نگر، ابوالفضل انکلیو، نئی دہلی

۵–انجینیر سید سعادت اللہ حسینی (رکن)

دعوت نگر، ابوالفضل انکلیو، نئی دہلی ۔ ۲۵

۶۔مولانا محمد فاروق خاں (رکن)

دعوت نگر، ابوالفضل انکلیو، نئی دہلی ۔ ۲۵

۷۔ پروفیسر اشتیاق احمد ظلی (رکن)

اقرا کالونی، نیوسر سید نگر، علی گڑھ

۸۔پروفیسر ظفر الاسلام اصلاحی (رکن)

اسلام منزل، گلی نمبر ۸، اقرا کالونی، علی گڑھ

۹۔ پروفیسر سید مسعود احمد (رکن)

اقرا کالونی، نیوسر سید نگر، علی گڑھ

مندرجہ بالا معلومات میرے علم و یقین کی حد تک بالکل درست ہیں۔

پبلشر

سید جلال الدین عمری

تحقیق وتنقید

حافظ فرمان علی کے ترجمۂ قرآن کا تنقیدی جائزہ

ڈاکٹر انعام اللہ وٹو

برصغیر کے اہل تشیّع نے تفسیر القرآن، لغات القرآن، علوم القرآن اور تجوید القرآن پر کافی کام کیا ہے۔ اردو، پنجابی، عربی، فارسی، پشتو، گجراتی اور انگریزی میں کئی آثار معرض وجود میں آئے ہیں۔ ان میں سے ایک حافظ سید فرمان علی شاہ کا ترجمۂ قرآن اور تفسیر ہے، جو'القرآن الحکیم مترجم' کے نام سے مطبوع ہے۔ ا؎

حافظ فرمان علی (۱۸۷۶–۱۹۱۴ء) کا تعلق چندن پٹی، صوبہ بہار (انڈیا) سے ہے۔ آپ نے ابتدائی تعلیم مقامی سطح پر حاصل کی، پھر اعلیٰ تعلیم کے لیے لکھنو کا قصد کیا اور معروف درس گاہ مدرسۂ ناظمیہ میں داخلہ لیا۔ ۱۳۱۳ھ/ ۱۸۹۵ء میں مدرسہ کی آخری سند 'ممتاز الافاضل' حاصل کی۔ جب نواب سید الطاف حسین عرف سلیمان نواب نے ۹/ ربیع الاوّل ۱۳۲۳ھ/ ۱۵/ مئی ۱۹۰۵ء کو'مدرسۂ سلیمانیہ' قائم کیا تو آپ کو اس میں صدر مدرس مقرر کیا گیا۔ آپ فقہ، اصول، عقائد اور کلام میں مہارت رکھتے تھے۔ ۲؎ آپ کے شاگردوں میں پروفیسر سید اعجاز حسن جعفری، پی ایچ ڈی (لندن) صدر شعبۂ عربی، ڈھاکہ یونی ورسٹی اور مولوی سید محمد ایڈووکیٹ، چھنڈ وارہ مظفر پور نمایاں ہیں۔ آپ کی شادی آپ کے چچا سید ظہیر الدین اصغر علی کی بیٹی کنیز سیدہ سے ہوئی۔ ان سے صرف ایک بیٹی بی بی ہاجرہ ہوئیں۔ آپ نے مظفر پور میں ایک بیوہ سے بھی شادی کی۔ اس سے بھی ایک بیٹی ہوئی، جس کا کم سنی میں ہی انتقال ہو گیا تھا۔ آپ کی وفات کے بعد بی بی ہاجرہ کی شادی مدرسۂ سلیمانیہ کے مدرس سید صغیر حسن سے ہوئی۔

حافظ صاحب نے مدرسۂ سلیمانیہ میں رہتے ہوئے دینیات کی چار کتابیں

لکھیں، جن میں سے تین اب بھی شائع ہو رہی ہیں۔ ’الولی‘ نامی کتاب مولانا ثناء اللہ امرتسریؒ کے ساتھ آپ کے تحریری مناظروں کا مجموعہ ہے۔ وظائف اور دعاؤں پر مشتمل کتاب ’وظائف الابرار‘ بھی آپ کی تصنیف ہے، لیکن جس کتاب نے آپ کو شہرت عطا کی اور زندۂ جاوید بنایا وہ ’القرآن الحکیم مترجم‘ ہے۔ سنہ ۱۳۲۶ھ/۱۹۰۸ء میں آپ نے قرآن مجید کے اردو ترجمہ کا آغاز کیا اور دو سال کی مدت میں اسے پایۂ تکمیل کو پہنچایا۔ ۳ اس ترجمہ کی خصوصیت یہ ہے کہ یہ اتنا آسان اور رواں ہے کہ اس سے آیت کا مفہوم پوری طرح واضح ہو جاتا ہے۔ لفظ کی تشریح میں قوسین میں متبادل لفظ یا جملہ استعمال کرنے سے کہیں ترجمہ سے وضاحت نہیں ہو پاتی تو اس کی توضیح حاشیہ پر اس طرح کی ہے کہ مطلب بہت آسان ہو جاتا ہے۔ شانِ نزول، مصداقِ آیات، آیت سے مربوط واقعہ کو مستند اور معتبر حوالوں سے پیش کیا ہے۔ اہلِ سنت کی معتبر کتابوں کے حوالوں سے مطالب میں تقویت پیدا ہوگئی ہے۔ ابتداء میں قرآن مجید کے مضامین کی مفصل فہرست ہے، جس میں جداگانہ ابواب قائم کیے ہیں، مثلاً باب الاحکام، باب الفضائل وغیرہ۔ موضوع کے تحت آیات کو تعدادِ آیات، پارہ، سورہ اور صفحہ نمبر کے ساتھ لکھا گیا ہے، تاکہ کسی موضوع سے متعلق آیت کو بآسانی تلاش کیا جا سکے۔ مضامین کے عناوین صفحات کے کنارے جلی حروف میں تحریر کیے ہیں۔ ہر سورہ کے آغاز میں حاشیہ پر اس کا خلاصہ مختصراً درج کیا ہے۔ واقعات اور شانِ نزول کو مستند تفاسیر اور فضائل اہلِ بیت کو اہلِ سنت کی معتبر کتابوں سے حوالہ کے ساتھ لکھا گیا ہے۔ ۴

لیکن اس ترجمہ کا ایک نقص یہ ہے کہ اس میں مخصوص شیعی نظریات کو ثابت کرنے کے لیے بیش تر مقامات میں احادیثِ متواترہ، نصوصِ قرآنیہ، آیات کے سیاق و سباق اور الفاظِ قرآنیہ و معانی لغویہ سے انحراف کیا گیا ہے۔ ذیل میں چند مثالیں پیش کی جاتی ہیں۔

۱۔ آیت فَتَلَقّٰٓى اٰدَمُ مِنْ رَّبِّهٖ كَلِمٰتٍ فَتَابَ عَلَيْهِ (البقرۃ: ۳۷) کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

''وہ کلمات جن کی برکت سے خدا نے حضرت آدمؑ کی توبہ قبول فرمائی، اسمائے پنجتن، یعنی محمدؐ، علی، فاطمہ، حسن، حسین علیہم السلام تھے۔'' ۵؎

درج بالا تفسیر کے لیے 'درِّ منثور' کا حوالہ دیا گیا ہے۔ اس میں یہ روایت حضرت ابن عباسؓ کے حوالہ سے موجود ہے۔ یہ تفسیر اگرچہ ایک اہلِ سنت مفسر جلال الدین سیوطی نے لکھی ہے، لیکن کوئی روایت محض اس وجہ سے قبول نہیں کی جاسکتی کہ اس کو اہل سنت مفسر نے ذکر کیا ہے، بلکہ اس کو اصول حدیث کی روشنی میں پرکھنا ضروری ہے۔ درج بالا روایت متعدد وجوہ سے قابلِ قبول نہیں:

(الف) اس روایت کے ساتھ روی ابن نجار عن ابن عباس لکھا گیا ہے، پوری سند ذکر نہیں کی گئی ہے۔ ۶؎ کتبِ احادیث میں یہ روایت اس طریق سے مروی ہے: **عن عمرو بن ثابت عن ابن عباس رضی اللہ عنہ، قال: سألت النبی - صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ - عن الکلمات التی تلّقاھا آدم من ربہ، قال: ''سأل بحق محمد و علی و فاطمۃ والحسن والحسین إلا تُبتَ عليَّ، فتیب علیہ۔''** ۷؎

کتبِ احادیث میں یہ روایت اس سند کے علاوہ کسی اور سند سے نہیں ملتی اور مذکورہ سند کے ساتھ یہ روایت قابلِ رد ہے۔ کیوں کہ اولاً اس میں راوی عمرو بن ثابت مجروح ہے۔ ابنِ معین اس کو 'لیس بشئ' اور 'لیس بثقۃ ولا مامون' لکھتے ہیں۔ نسائی کے مطابق 'متروک الحدیث' ہے۔ ابن حبان کہتے ہیں: 'یروی الموضوعات' یعنی وہ موضوع روایتیں نقل کرتا ہے۔ ابن مبارک لکھتے ہیں: **'لا تحدثوا عن عمرو، فانّہ یسبّ السلف'**۔ ۸؎ (عمرو سے روایت نہ کرو، اس لیے کہ وہ سلف کو برا بھلا کہتا ہے۔) ثانیاً یہ حدیث 'منکر' ہے، کیوں کہ عمرو بن ثابت اپنے سے زیادہ ثقہ راوی سعید بن جبیر کی مخالفت کرتے ہیں۔

(ب) یہ روایت بعض دیگر کتبِ شیعہ میں بھی مذکور ہے، لیکن ان میں بھی کسی مضبوط سند کے ساتھ نہیں ہے۔ مثلاً الکافی (جلد ۳، صفحہ ۳۰۵) میں یہ روایت 'وفی روایۃ اُخریٰ' کے الفاظ سے منقول ہے۔ ۹؎ اور 'مستدرک الوسایل' میں اسی مفہوم کی قدرے تفصیلی حدیث 'عن الاعمش عن ابی صالح عن ابن عباس' کی سند سے مروی ہے

۱۰۔ اور اعمش پر اصحابِ جرح وتعدیل نے تدلیس اور وضعِ حدیث کا حکم لگایا ہے۔۱۱۔

(ج) اس روایت کے مردود ہونے کی سب سے بڑی وجہ یہ ہے کہ یہ نصِّ قرآنی کے خلاف ہے۔ حضرت آدمؑ وحوا نے کن الفاظ میں توبہ کی تھی؟ یہ سورۂ اعراف، آیت ۲۳ میں مذکور ہے: **قَالَا رَبَّنَا ظَلَمۡنَا أَنفُسَنَا وَإِن لَّمۡ تَغۡفِرۡ لَنَا وَتَرۡحَمۡنَا لَنَكُونَنَّ مِنَ الۡخَاسِرِينَ** (دونوں بول اٹھے: اے ہمارے رب! ہم نے اپنے اوپر ظلم کیا۔ اب اگر تو نے ہمیں معاف نہ کیا اور ہم پر رحم نہ فرمایا تو ہم خسارہ پانے والوں میں سے ہوں گے۔)

قرآن مجید کی تفسیر میں 'تفسیر القرآن بالقرآن' سے بڑھ کر کوئی چیز نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ تفاسیر اہل سنت میں بھی اس آیت کی دیگر تفاسیر کو ترجیح نہیں دی گئی ہے۔

۲۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَالۡمُحۡصَنٰتُ مِنَ النِّسَآءِ إِلَّا مَا مَلَكَتۡ أَيۡمَانُكُمۡ كِتٰبَ اللّٰهِ عَلَيۡكُمۡ وَأُحِلَّ لَكُم مَّا وَرَآءَ ذٰلِكُمۡ أَن تَبۡتَغُوا بِأَمۡوَالِكُم مُّحۡصِنِينَ غَيۡرَ مُسٰفِحِينَ فَمَا اسۡتَمۡتَعۡتُم بِهِ مِنۡهُنَّ فَآتُوهُنَّ أُجُورَهُنَّ فَرِيضَةً وَلَا جُنَاحَ عَلَيۡكُمۡ فِيمَا تَرٰضَيۡتُم بِهِ مِن بَعۡدِ الۡفَرِيضَةِ إِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيمًا حَكِيمًا۔ (النساء:۲۴)

اس آیت کی تفسیر میں فاضل مفسر نے لکھا ہے:

''یہ آیت تصریحاً متعہ کے حلال ہونے پر دلالت کرتی ہے۔ اسی وجہ سے اور مصاحف میں (علاوہ مصحفِ عثمانی کے) اس آیت میں محصنین کے بعد 'الیٰ اجل مسمّیً' (ایک معینہ مدت تک) بھی تھا۔ چنانچہ جب ابن عباسؓ کے سامنے یہ آیت پڑھی گئی تو انھوں نے کہا: اللہ کی قسم۔ اللہ نے اس آیت کو یوں ہی نازل کیا ہے۔ اسی بنا پر حضرت علیؓ سے منقول ہے کہ اگر حضرت عمرؓ لوگوں کو متعہ سے منع نہ کرتے تو قیامت تک سوائے شقی و بدبخت کے کوئی دوسرا زنا نہ کرتا۔ اسی بنا پر حضرت جابر بن عبداللہؓ سے منقول ہے کہ ہم لوگ رسالت مآب ﷺ کے پورے زمانے میں، حضرت ابو بکرؓ کی پوری خلافت میں اور حضرت عمرؓ کے نصف زمانۂ خلافت تک برابر متعہ کرتے تھے، مگر حضرت

عمرؓ نے اپنی خلافت کے نصف کے بعد متعہ کی ممانعت کا حکم جاری کیا اور وہ بھی ان الفاظ سے: **متعتان کانتا علی عهد رسول اللہ، و أنا أنهى عنهما و أعاقب عليهما** (دو متعے رسالت مآبؐ کے زمانہ میں حلال تھے: متعۃ الحج اور متعۃ النساء۔ میں ان دونوں کو حرام کرتا ہوں اور ان کے کرنے والوں کو سزا دوں گا۔ (درّ منثور ج ۲، ص ۱۴۰، تفسیر کبیر، ج ۱، ص ۳۶۰، وغیرہ) ان کے علاوہ تینوں روایتیں اہلِ سنت کی بہت سی کتابوں میں مذکور ہیں۔ اس کے علاوہ اس آیت کی ناسخ کوئی دوسری آیت قرآن بھر میں نہیں ہے اور نہ رسول اللہ ﷺ نے حلال کرنے کے بعد اس کو حرام کیا ہے۔ اسی وجہ سے حضرت عمرؓ نے یہ فرمایا کہ میں حرام کرتا ہوں، ورنہ اگر آیت یا حدیث ہوتی تو ان کا بیان کرنا کافی ہوتا۔ 'میں حرام کرتا ہوں' کہنے کی ضرورت نہ ہوتی۔ پھر جب کوئی آیت اس کی ناسخ ہے نہ رسول اللہ ﷺ نے منع کیا ہے تو حضرت عمرؓ کو اسے حرام قرار دینے کا کوئی حق نہیں تھا اور نہ ان کے حرام کر دینے سے حرام ہو سکتا ہے۔ خود رسول اللہ ﷺ کو احکامِ خدا میں تغیر و تبدیلی کا حق نہیں تھا تو کسی دوسرے کو کیوں کر ہو سکتا ہے۔'' [۱۲]

اس تفسیر میں کئی وجوہ سے سقم پایا جاتا ہے:

(الف) مفسر نے تفسیر درّ منثور وغیرہ کے حوالہ سے یہ تو نقل کیا ہے کہ حضرت ابن عباسؓ یہ کہا کرتے تھے کہ اللہ کی قسم، اللہ نے اس آیت کو اسی طرح (یعنی **الیٰ اجل مسمّیً** کے ساتھ) اتارا ہے، لیکن یہ نہیں نقل کیا کہ حضرت ابن عباسؓ اس کی تنسیخ کے بھی قائل تھے، جیسا کہ السنن الکبریٰ للبیہقی اور المعجم للطبرانی کے حوالہ سے درّ منثور میں ہی درج ہے:

عن ابن عباس قال: كانت المتعة في أول الإسلام، وكانوا يقرأون هذه الآية......، فكان الرجل يقدم البلدة ليس له بها معرفة فيتزوج بقدر ما يرى أنه يفرغ من حاجته لتحفظ متاعه وتصلح له شأنه، حتى نزلت هذه الآية (حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ أُمَّهٰتُكُمْ) (النساء: ٢٣) إلى آخر الآية، فنسخ الأولى، فحرمت المتعة، وتصديقها من القرآن (إِلَّا عَلَىٰ أَزْوَاجِهِمْ أَوْ مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُهُم) (المؤمنون: ٦) [۱۳]

''ابن عباس کہتے ہیں: ابتدائے اسلام میں متعہ حلال تھا۔ وہ یہ آیت پڑھتے

تھے (النساء: ۲۴) ایک آدمی کسی اجنبی جگہ جاتا، وہاں وہ جتنی مدت رہنا چاہتا اس مدت کے لیے نکاح کرلیتا، تاکہ عورت اس کے سامان کی حفاظت کرے اور اس کی ضروریات پوری کرے، یہاں تک کہ یہ آیت (المومنون:۶) نازل ہوئی۔‘‘

حضرت ابن عباسؓ تنسیخ کی بات کر کے بطور تائید سورہ المومنون کی آیت ۶ بھی پیش کرتے ہیں اوراس سے یہ ثابت کرتے ہیں کہ بیوی اور باندی کے علاوہ ہر قسم کے جنسی تعلق کومنسوخ کر دیا گیا ہے۔

(ب) مفسر نے بغیر کسی حوالہ کے حضرت علیؓ کی طرف یہ قول منسوب کر دیا ہے کہ ’’اگر حضرت عمرؓ متعہ سے منع نہ کرتے تو قیامت تک سوائے شقی و بد بخت کے کوئی زنا نہ کرتا۔‘‘ اس میں پہلی بات تو یہ ہے کہ حضرت علیؓ سے کہیں بھی یہ قول منقول نہیں ہے۔ یہ حضرت علیؓ پر افتراء اور بہتان ہے۔ دوسری بات یہ کہ ان الفاظ سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر متعہ حرام نہ ہوتا تو صرف شقی و بد بخت ہی زنا کرتا ،لیکن اب زنا کرنے والے متقی اور پرہیز گار بھی ہیں۔تو کیا اب سورۂ المومنون کی آیت ۶ مومنین کی صفت نہیں رہی۔ فیاللعجب۔ تیسری بات یہ کہ حضرت علیؓ اس طرح کی بات کیسے فرما سکتے تھے؟ جب کہ وہ خود متعہ کی حرمت کے قائل تھے۔ حضرت ابن عباسؓ نے اس کی صراحت کی ہے:

(ج) مفسر کے مطابق متعہ کوحضرت عمرؓ نے حرام کیا، اسی لیے انہوں نے اپنی طرف نسبت کرتے ہوئے کہا: **أنا أنهى عنهما و أعاقب عليهما**۔ (میں اس سے منع کرتا ہوں اور اس پر سزا دوں گا۔) یہ بات خلافِ حقیقت ہے، کیوں کہ، جیسا کہ اوپر حضرت ابن عباسؓ سے حلّتِ متعہ کی تنسیخ اور حضرت علیؓ سے حرمتِ متعہ نقل کی گئی ہے، یہ بات ثابت شدہ ہے کہ متعہ حضور ﷺ کے دور میں ہی حرام کیا جا چکا تھا، البتہ حکومتی سطح پر اس حکم کی تنفیذ حضرت عمرؓ نے کی۔ انہوں نے اسی تنفیذ کی اپنی طرف نسبت کی کہ اب تک کچھ لوگ لاعلمی کی وجہ سے متعہ کرتے رہے تھے۔ اب میں سب کو بتا رہا ہوں کہ یہ حلّت حضور ﷺ کے (ابتدائی) دور میں تھی (بعد میں آپؐ نے ہی اسے

حرام کر دیا تھا)، اس لیے اب میں قانونی طور پر اس سے منع کرتا ہوں۔ جو شخص اسے نہ مانے گا اس کو آئندہ سزا دوں گا۔

(د) مفسر کے مطابق متعہ کی تنسیخ قرآن کریم میں نہیں ہے، اس لیے حضرت عمرؓ کے حرام کرنے سے وہ حرام نہیں ہوگا، کیوں کہ احکام الٰہی میں تبدیلی کا اختیار خود نبی ﷺ کو بھی نہیں ہے۔ معلوم نہیں، فاضل مفسر نے کس زاویے سے یہ بات تحریر کی ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ متعہ کو حضور ﷺ نے حرام کیا تھا، یہ حرمت قرآن کی تائید میں ہی تھی۔ تیز رفتار ذرائع مواصلات نہ ہونے کی بنا پر سارے عالم اسلام میں یہ بات فوری نہ پہنچ سکی اور کچھ لوگ لاعلمی کی بنا پر بدستور اس کو جائز سمجھتے رہے۔ چنانچہ حضرت عمر فاروقؓ کو باقاعدہ اس کی حرمت کا اعلان کرنا پڑا۔

(ہ) متعدد صحیح احادیث ہیں، جن سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے متعہ کو حرام قرار دیا تھا۔ چند احادیث درج ذیل ہیں:

حضرت علیؓ نے حضرت ابن عباسؓ سے فرمایا:

أَنَّ رَسولَ اللهِ صلّی الله علیه و سلم نَهَی عَنِ المتعةِ وعن لحومِ الحُمرِ الأهليةِ زَمَنَ خیبَر ۔ ۱۵؎

(رسول اللہ ﷺ نے خیبر کے زمانے میں، متعہ کرنے اور پالتو گدھوں کا گوشت کھانے سے منع کر دیا تھا۔)

حضرت سلمہ بن الاکوعؓ سے روایت ہے۔ وہ بیان کرتے ہیں:

رَخَّصَ لَنَا رَسولُ اللهِ فِي مُتْعَةِ النِّسَاءِ - عَامَ أَوْطَاسٍ - ثَلاثَةَ أَيَّامٍ ثُمَّ نَهَى عَنْه. ۱۶؎

(رسول اللہ ﷺ نے غزوۂ اوطاس کے موقع پر تین دن کے لیے متعہ کی اجازت دے دی تھی، پھر آپ نے اس سے منع کر دیا تھا۔)

حضرت سبرہ بن معبد الجہنیؓ سے روایت ہے۔ وہ بیان کرتے ہیں کہ میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تھا۔ آپؐ نے لوگوں کے درمیان خطبہ دیا تو فرمایا:

يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنِّي كُنْتُ أَذِنْتُ لَكُمْ فِي الاِسْتِمْتَاعِ عَنِ النِّسَاءِ وَإِنَّ

اللّٰہَ قَدْ حَرَّمَ ذٰلِکَ إِلَی یَوْمِ الْقِیَامَۃِ فَمَنْ کَانَ عِنْدَہُ مِنْھُنَّ شَیْئٌ فَلْیُخَلِّ سَبِیلَہُ وَلَا تَأْخُذُوا مِمَّا آتَیْتُمُوھُنَّ شَیْئًا۔ ۱۷؎

(لوگو! میں نے تمہیں عورتوں سے متعہ کرنے کی اجازت دی تھی، لیکن اب اللہ نے اسے قیامت تک کے لیے حرام کر دیا ہے۔ اب اگر کوئی شخص متعہ کر رہا ہو تو اسے ترک کر دے اور عورت کو جو کچھ دے رکھا ہو اسے بھی نہ لے۔)

دوسری روایت کے مطابق حضرت سبرہ بن معبدؓ بیان کرتے ہیں کہ فتح مکہ کے موقع پر رسول اللہ ﷺ نے متعہ کی اجازت دے دی تھی، چنانچہ میں نے ایک عورت سے متعہ کیا، لیکن جلد ہی آپؐ نے اسے حرام قرار دے دیا۔ ۱۸؎

۳۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَقَرْنَ فِی بُیُوتِکُنَّ وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاھِلِیَّۃِ الْأُولٰی وَأَقِمْنَ الصَّلٰوۃَ وَآتِینَ الزَّکٰوۃَ وَأَطِعْنَ اللّٰہَ وَرَسُولَہُ إِنَّمَا یُرِیدُ اللّٰہُ لِیُذْھِبَ عَنْکُمُ الرِّجْسَ أَھْلَ الْبَیْتِ وَیُطَھِّرَکُمْ تَطْھِیرًا۔ (الاحزاب: ۳۳)

اس کی تفسیر میں فاضل مفسر نے لکھا ہے:

''اس پر تو تمام علماء کا اتفاق ہے اور سنیوں اور شیعوں میں سے کوئی اس کا مخالف نہیں کہ اہل بیتِ رسولؐ حضرت علیؓ، جناب فاطمہ زہراءؓ، امام حسنؓ اور امام حسینؓ ہیں اور اس میں بھی شک نہیں کہ یہ آیت انہیں بزرگ واروں کے بارے میں نازل ہوئی، مگر بعض حضرات اہل سنت کا خیال ہے کہ اس میں ازواج بھی شامل ہیں اور مدح وثنائے اہلِ بیت میں داخل ہیں، لیکن یہ خیال چند وجوہ سے غلط ہے: (۱) اگر ازواج مقصود ہوتیں تو جس طرح ما قبل و ما بعد کی آیت میں ضمیر جمع مؤنث حاضر تھی، اس میں بھی باقی رہتی۔ (۲) بلکہ اگر اس آیت کو درمیان سے نکال لو اور ما قبل و ما بعد کو ملا کر پڑھو تو کوئی خرابی نہیں ہوتی، بلکہ ربط اور بھی بڑھ جاتا ہے، جس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ یہ آیت اس مقام کی نہیں، بلکہ خواہ مخواہ کسی خاص غرض سے داخل کی گئی ہے۔ (۳) اگر ازواجِ نبی بھی شامل ہوتیں تو ان کی تعداد نو (۹) تھی اور ان حضرات کی چار (۴)۔ ان میں سے بھی ایک عورت ہی ہیں، پس مجموعاً تیرہ (۱۳) ہوئے

: دس(۱۰) عورتیں، تین (۳) مرد، پھر بھی غلبہ عورتوں کا ہی رہا۔اس حالت میں بھی ضمیر وصیغہ مؤنث ہی لانا ضروری تھا، نہ کہ مذکر۔(۴) زید بن ارقمؓ کا قول ہے کہ ازواج اہل بیت نہیں، کیوں کہ یہ تو آج ہیں، کل طلاق دی، الگ ہوئیں، بلکہ وہ لوگ مراد ہیں جن پر خدا نے صدقہ حرام کیا ہے۔(۵) اگر ازواج بھی شامل ہوتیں تو جس وقت حضرت ام سلمہؓ نے، جن کے گھر میں یہ آیت نازل ہوئی اور وہ خود نہایت ممدوح اور پکّی ایمان دار بیوی تھیں، جب چادر کا کونا اٹھا کر اس میں داخل ہونا چاہا تو رسول اللہ ﷺ نے ہاتھ سے کونا کھینچ لیا اور صاف صاف کہہ دیا کہ تم نیکی پر ہو، مگر اہلِ بیت میں شامل نہیں، بلکہ ازواج میں سے ہو۔اس مطلب کی تقریباً تیس (۳۰) حدیثیں مختلف اسناد سے موجود ہیں، جن کو مختلف علمائے اہل سنت نے مثل امام احمدؒ ذکر کیا ہے۔۔۔الآخر۔''۱۹؎

اس موضوع پر کئی پہلوؤں سے غور کرنے کی ضرورت ہے:

(الف) فاضل مفسر نے آیت کی تفسیر میں لکھا ہے کہ چار حضرات: حضرت علیؓ، حضرت فاطمہؓ، حضرت حسنؓ، حضرت حسینؓ بالاتفاق اصلاً واوّلاً اہلِ بیت ہیں اور بالاتفاق درج بالا آیت ان چاروں کے بارے میں نازل ہوئی، جب کہ ازواجِ مطہرات کے اس آیت کی فضیلت میں شامل ہونے میں اختلاف ہے۔یہاں انہوں نے اصل بات بالکل معکوس کر کے پیش کی ہے۔اہل سنت کے نزدیک آیت کا اوّلین مصداق درج بالا چار حضرات نہیں، بلکہ ازواجِ مطہرات ہیں، جیسا کہ تفسیر ابن کثیر میں حضرت عکرمہؒ کا قول منقول ہے: **من شآء باھلتہ أنّھا نزلت في أزواج النبي ﷺ** (جو بھی چاہے اس سے میں اس بات پر مباہلہ کے لیے تیار ہوں کہ یہ آیت ازواج النبی کے بارے میں نازل ہوئی تھی۔) پھر اس پر یہ تبصرہ کیا گیا ہے کہ اگر اس سے مراد یہ ہو کہ ازواج مطہرات ہی اس آیت کا سببِ نزول ہیں تو ٹھیک ہے، لیکن اگر یہ مراد ہو کہ اس فضیلت سے صرف وہی مراد ہیں، اور کوئی مراد نہیں، یہ بات محل نظر ہے۔۲۰؎ معلوم ہوا کہ آیت کا اوّلین مصداق اہلِ سنت کے نزدیک ازواجِ مطہرات ہیں، البتہ حضور ﷺ نے چار حضرات: حضرت علی، فاطمہ، حسن وحسین رضی اللہ عنہم کو بھی اس میں

شامل فرمایا۔ لیکن مفسر نے کمالِ ہوشیاری سے بات بالکل ہی الٹ دی کہ ازواجِ مطہرات کا اس فضیلت میں شامل ہونا بعض اہلِ سنت کا خیال ہے۔

(ب) مفسر کے مطابق اِنَّمَا یُرِیۡدُ اللّٰہُ لِیُذۡهِبَ عَنۡكُمُ الرِّجۡسَ اَهۡلَ الۡبَیۡتِ وَ یُطَهِّرَكُمۡ تَطۡهِیۡرًا کسی اور مقام کی آیت ہے۔ اس کو خواہ مخواہ کسی غرض سے یہاں داخل کیا گیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس کو نکال دیا جائے تو ماقبل و مابعد کی آیات زیادہ مربوط ہو جاتی ہیں۔ جہاں تک ربط کی بات ہے تو اس حصے کو ماقبل و مابعد کے ربط میں رکاوٹ کہنا درست نہیں، کیوں کہ ماقبل آیات میں ازواج سے فرمایا گیا ہے کہ تم عام عورتوں جیسی نہیں ہو، تم متقی ہو تو اپنی آواز پست رکھا کرو اور اچھی باتیں کہا کرو۔ پھر اس حصے میں فرمایا گیا کہ یہ احکام تم پر تنگی کرنے کے لیے نہیں ہیں، بلکہ اس لیے ہیں کہ اللہ تعالیٰ تمھیں پاک کرنا چاہتا ہے۔ چوں کہ یہ آیت بھی حضرت ام سلمہؓ کے گھر میں نازل ہوئی تھی اور حضور ﷺ دیگر ازواج کے گھروں میں بھی آیاتِ قرآنی کی تلاوت کرتے رہتے تھے، اس لیے بعد کی آیت میں فرمایا گیا کہ تمہارے گھروں میں جو آیات تلاوت کی جاتی ہیں (جو کہ ایک احسانِ عظیم ہے) ان کو یاد کیا کرو۔ ۲۱ے

دوسری بات مفسر نے بہت عجیب لکھی ہے کہ یہ آیت خواہ مخواہ کسی غرض کے لیے یہاں داخل کر دی گئی ہے۔ اس سے تحریفِ قرآن کا شبہ پیدا ہوتا ہے۔ بالفرض اگر یہ بات مان لی جائے تو کسی معتبر حدیث یا تاریخی روایت سے ثابت کرنا پڑے گا کہ یہ آیت کس مقام کی ہے؟ جب کہ ایسی کوئی حدیث یا روایت نہیں ہے اور ہو بھی نہیں سکتی۔ کیوں کہ قرآن کریم محفوظ ہے۔ اس کی ایک آیت بھی اِدھر اُدھر نہیں ہوئی ہے۔

فاضل مفسر کے مطابق آیت میں اہلِ بیت سے مراد ازواجِ مطہرات نہیں، بلکہ آلِ رسول ہیں۔ اس پر انھوں نے درج ذیل دلائل دیے ہیں:

''۱۔ اگر اہلِ بیت میں ازواج شامل ہوتیں تو پھر کل تیرہ (۱۳) میں سے دس (۱۰) عورتیں ہونے کی بنا پر تغلیباً صیغہ اور ضمیر مونث کے استعمال ہوتے۔''

یہاں صیغہ و ضمیر کی تذکیر ازواج کے 'اہل بیت' میں شامل نہ ہونے کی وجہ سے

نہیں، بلکہ اس لیے ہے کہ کلام عرب میں لفظِ 'أهل' مذکر ہی استعمال ہوتا ہے، خواہ مراد عورتیں ہی ہوں اور اس کی لفظی رعایت کی بنا پر ضمیر بھی مؤنث کی لائی جاتی ہے۔ اس کی دلیل خود قرآن مجید میں موجود ہے۔ سورۂ ہود کی آیت ۷۳ میں فرشتوں نے حضرت ابراہیمؑ کی بیوی کو خطاب کرتے ہوئے 'أهل البيت' کا لفظ استعمال کیا اور صیغہ وضمیر مذکر رکھی: **اَتَعۡجَبِيۡنَ مِنۡ اَمۡرِ اللّٰهِ رَحۡمَتُ اللّٰهِ وَ بَرَكٰتُهٗ عَلَيۡكُمۡ اَهۡلَ الۡبَيۡتِ**۔ اسی طرح سورۂ النمل آیت ۷ میں حضرت موسیٰؑ کی مخاطب صرف ان کی زوجہ ہیں، لیکن صیغہ وضمیر مذکر ہیں: **إِذۡ قَالَ مُوسٰى لِأَهۡلِهٖۤ إِنِّيۡۤ آنَسۡتُ نَارًا سَآتِيۡكُمۡ مِّنۡهَا بِخَبَرٍ أَوۡ آتِيۡكُمۡ بِشِهَابٍ قَبَسٍ لَّعَلَّكُمۡ تَصۡطَلُوۡنَ**۔

''۲۔ حضرت ام سلمہؓ نے جب چادر کا کونا اٹھا کر شامل ہونا چاہا تو رسول ﷺ نے کونا ہاتھ سے کھینچ لیا اور کہا: ''تم نیکی پر ہو، مگر اہل بیت میں شامل نہیں، بلکہ ازواج میں سے ہو۔''

مفسر کا نقل کیا ہوا یہ جملہ ''مگر (تم) اہل بیت میں شامل نہیں ہو'' ثابت نہیں ہے۔ ذخیرۂ احادیث میں، حتیٰ کہ مفسر کی حوالہ دی گئی کتب میں بھی حضور ﷺ کے واسطے سے یہ جملہ منقول نہیں ہے۔

زیرِ بحث مضمون کے تحت حضرت امِ سلمہؓ کے بارے میں مختلف احادیث میں درج ذیل الفاظ وارد ہوئے ہیں:

(۱) انت علی خیر ۲۲۔ **(۲) انک الیٰ خیر، انک من ازواج النبی** ﷺ ۲۳۔
(۳) انت من اَهلی ۲۴۔ **(۴) أَنتِ عَلَى خَيرٍ، إِنَّكِ مِنۡ أَزۡوَاجِ النَّبِيِّ** ﷺ ۲۵۔

ان جملوں میں سے کسی میں بھی حضرت ام سلمہؓ کے اہلِ بیت میں سے ہونے کا انکار نہیں ہے۔ پہلے دو جملے اپنے مفہوم میں واضح نہیں ہیں۔ تیسرا جملہ واضح ہے کہ آپؐ ان کو اہل بیت میں شامل کر رہے ہیں۔ لہٰذا اصولِ حدیث کے مطابق غیر واضح / ذو معنیٰ الفاظ کو واضح الفاظ پر ہی محمول کیا جائے گا۔

۳۔ مفسر نے حضرت زید بن ارقمؓ کی روایت نقل کی ہے کہ ازواج، اہل

بیت نہیں ہیں، کیوں کہ وہ تو آج ہیں، کل طلاق دی، الگ ہوئیں، بلکہ وہ لوگ مراد ہیں جن پر صدقہ حرام کیا گیا ہے۔

صحیح مسلم میں حضرت زید بن ارقمؓ کی پوری روایت باب مناقب علیؓ میں دو طرق سے مذکور ہے۔ اس کا خلاصہ یہ ہے کہ یزید بن حبان وغیرہ نے حضرت زیدؓ سے کہا: ”آپؓ نے حضور ﷺ کی کافی لمبی صحبت پائی ہے، کچھ آپؐ کے حوالہ سے بیان کریں۔“ انھوں نے پہلے ضعفِ حفظ اور بُعدِ صحبت کا اظہار کیا، پھر غدیرِ خُم والی حدیث بیان کر کے یہ الفاظ کہے:

> وَأَنَا تَارِکٌ فِیکُمْ ثَقَلَیْنِ: أَوَّلُهُمَا کِتَابُ اللّٰهِ... وَأَهْلُ بَیْتِي، أُذَکِّرُکُمُ اللّٰهَ فِي أَهْلِ بَیْتِي۔
>
> (میں تمہارے درمیان دو بھاری چیزیں چھوڑ کر جا رہا ہوں: ایک اللہ کی کتاب اور دوسری میرے اہل بیت۔ میں تمھیں اپنے اہل بیت کے بارے میں یاد دہانی کراتا ہوں۔)

پھر ازواج کے اہلِ بیت میں شامل ہونے سے متعلق استفسار پر انھوں نے جو بات فرمائی وہ روایت میں مذکور ہے۔ سعید بن مسروق کے طریق میں ہے کہ انہوں نے فرمایا:

> لا وأیم اللّٰه، انَّ المرأة تکون مع الرجل العصر من الدهر، ثم یطلّقها، فترجع الیٰ أبیها و قومها، أهل بیته أصله وعصبته الذین حرموا الصدقة بعده۔
>
> (ازواجِ مطہرات اہلِ بیت میں شامل نہیں ہیں۔ اللہ کی قسم، عورت ایک زمانے تک مرد کے ساتھ رہتی ہے۔ پھر وہ اسے طلاق دے دیتا ہے تو وہ اپنے باپ کے گھر اور قوم میں واپس چلی جاتی ہے۔ اہل بیت سے مراد وہ گھر والے اور قبیلے والے ہیں جن پر آپؐ کے بعد زکوٰۃ حرام ہے۔)

لیکن ابوحیّان کے طریق میں ہے کہ انہوں نے فرمایا:

نِسَاؤُہُ مِنْ أَھْلِ بَیْتِہٖ وَلٰکِنْ أَھْلُ بَیْتِہٖ مَنْ حُرِمَ الصَّدَقَۃَ بَعْدَہٗ ۔۲۶؎

(آپؐ کی ازواج آپ کے اہل بیت میں سے ہیں۔ لیکن اہل بیت اصلاً وہ ہیں جن پر آپؐ کے بعد زکوٰۃ حرام ہے۔)

اس روایت میں ایک بات تو یہ سمجھنی چاہیئے کہ حضرت زیدؓ کا یہ قول زیرِ بحث آیت کی تفسیر میں نہیں، بلکہ حضرت علیؓ کی منقبت میں ہے۔ اس مفہوم کی دیگر بہت سی احادیث ہیں، جن میں حضور ﷺ نے اپنے بعد دو چیزوں کی وصیت فرمائی ہے: ان میں سے پہلی کتاب اللہ ہے، دوسری کے بارے میں کسی حدیث میں **عترتی** اور کسی میں **آلي** کا لفظ ہے۔ ۲۷؎ صاف معلوم ہوتا ہے کہ حضرت زیدؓ کو بھی 'آل' ہی کی بات کرنی تھی، لیکن انہوں نے '**أھل**' کا لفظ بول دیا اور پوچھنے پر اپنی مراد کی وضاحت کی کہ میری مراد وہ ہیں جن پر صدقہ (زکوٰۃ) حرام ہے، ازواج میری مراد نہیں ہیں، کیوں کہ ان پر صدقہ حرام نہیں ہے۔ گویا ازواج کی نفی صدقہ کی حرمت والے '**أھل**' یعنی 'آل' سے ہے، نہ کہ مطلق اہل بیت سے۔ یہی وجہ ہے کہ ابوحیّان والی روایت میں نفی نہیں ہے، بلکہ یہ الفاظ ہیں: ''ہاں، ازواج اہل بیت ہیں، لیکن (میری مراد) وہ حضرات ہیں جن پر صدقہ (زکوٰۃ) حرام ہے۔''

اس روایت کا یہ معنیٰ سب سے زیادہ موزوں اور کسی بھی خرابی سے پاک ہے۔ ورنہ اگر فاضل مفسر والی تشریح قبول کر لی جائے تو درج ذیل وجوہ سے اس روایت کو ترک کرنا لازم آئے گا:

۱۔ اس میں اضطراب ہے، کیوں کہ ایک روایت میں ازواج کے اہل بیت ہونے کی نفی نہیں ہے، دوسری میں ہے۔

۲۔ اس روایت کو ماننے کی صورت میں دیگر بہت سے معتبر صحابہ کی مخالفت لازم آئے گی، جن کو ضعفِ حفظ کی شکایت بھی نہیں تھی۔ اس آیت کے سببِ نزول کی بابت حضرت ابن عباسؓ کا قول ہے: **نُزِلَتْ فِي نِسَآءِ النَّبِيِّ** ﷺ، (یہ آیت ازواجِ نبی کے سلسلے میں نازل ہوئی تھی۔) حضرت عکرمہؓ کا قول ہے: **مَنْ شَآءَ باھلتہ أنّھا**

نُزلت في أزواجِ النَّبي ﷺ ۲۸؎ (جو چاہے اس سے میں مباہلہ کرسکتا ہوں کہ یہ آیت ازواجِ نبی کے سلسلے میں نازل ہوئی تھی۔) حضرت عروہؓ کا دوسرا قول ہے: **أهل البيت يعني أزواج النبي** ﷺ۔ ۲۹؎ (اہل بیت سے مراد ازواجِ نبی ہیں۔)

۴۔ فاضل مفسر نے سورۃ الانشراح (الم نشرح) کا خلاصہ ان الفاظ میں بیان کیا ہے:

> ''اس کے بعد خدا نے دوسرا احسان جتایا ہے کہ تم پر جو نبوت اور احکامِ خدا پہنچانے کا بہت بڑا بوجھ تھا اس کو علیؑ بن ابی طالبؓ کی خلافت و وزارت سے ہلکا کر دیا اور چوں کہ اس حکمِ خدا یعنی حضرت علیؓ کی خلافت کے اظہار کو حضرت رسول ﷺ بہت مشکل کام سمجھتے تھے، اس بنا پر خدا نے جس طرح دوسرے مقام پر دوسرے الفاظ میں فہمائش کی ہے اس طرح یہاں بھی یوں فرما دیا ہے کہ ہر مشکل کے ساتھ آسانی ہے، پھر وقت مقرر فرما دیا کہ جب تم آخری حج سے فارغ ہو تو خلیفہ مقرر کرو، اس کے بعد خدا کی طرف رجوع کرو، یعنی موت کی تیاری کرو۔ اگرچہ اس مطلب کو مفسرینِ اہل سنت نے ذکر نہیں کیا لیکن بہ انصاف لوگ کلامِ خدا کو غور سے دیکھیں اور اس مطلب کو اور جو مطالب مفسرینِ اہلِ سنت نے بیان کیے ہیں، دونوں کو الفاظِ قرآنی سے منطبق کریں تو معلوم ہو جائے گا کہ کون سا زیادہ چسپاں ہے، واللہ اعلم بالصواب''۔ ۳۰؎

اس تفسیر میں تین نکات قابلِ غور ہیں:

(الف) آیت **وَوَضَعۡنَا عَنكَ وِزۡرَكَ** میں 'وزر' سے مراد احکام الٰہی کا پہنچانا اور بارِ نبوت ہے، جس کو بقول مفسر اللہ تعالیٰ نے خلافت و وزارتِ علیؓ سے ہلکا کیا۔ اس مفہوم میں اول بات تو درست ہے، لیکن بارِ نبوت کو خلافتِ علیؓ سے ہلکا کرنے والی بات درج ذیل وجوہ سے درست نہیں:

۱۔ شیعہ عقائد کے مطابق اللہ کے رسول ﷺ نے حجۃ الوداع کے موقع پر خلافتِ علیؓ کا اعلان فرمایا اور یہ بات تسلیم شدہ ہے کہ اس وقت سورہ المائدہ کی آیت

الیومَ أکمَلتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَأتمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِي وَرَضِیتُ لَکُمُ الاِسْلاَمَ دیناً نازل ہوئی، اس کے بعد باتفاقِ مفسرین احکام والی آیات نازل نہیں ہوئیں۔ ۳۱ آپؐ نے بَلِّغْ مآ اُنْزِلَ اِلَیْکَ مِنْ رَبِّکَ کا حکم پورا کر لینے کے بعد اسی موقع پر فلیبلّغ الشاھدُ الغائب بھی فرمایا تھا۔ ۳۲ جب آپؐ تمام احکامِ خداوندی کی تبلیغ پہلے ہی کر چکے ہیں تو تبلیغ اور بارِ نبوت کے لیے وزارت کا کوئی مطلب ہی نہیں بنتا۔

۲۔ایک آدمی کا بوجھ دوسرے آدمی کے ذریعے ہلکا کرنے کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ بوجھ دونوں پر ڈال دیا جائے، جیسے حضرت موسیٰؑ کی درخواست پر پہلی تبلیغ کے وقت ہی اللہ نے حضرت ہارونؑ کو ان کا وزیر بنا دیا اور وہ نبوت میں شریک ہو گئے۔ (اسی لیے حضرت ہارونؑ نبی کہلاتے ہیں، نہ کہ وصی یا خلیفہ)۔اگر بارِ نبوت کو خلافتِ علیؓ سے ہلکا کرنا ہوتا تو اوّل دن سے ہی اللہ تعالیٰ ان کو ساتھ بھیجتے لیکن ایسا نہیں ہے۔

۳۔کسی آدمی کا وزیر اس کی زندگی میں ہوتا ہے اور اس کی عدم موجودگی میں اس کی تمام تر ذمہ داریاں وزیر پر ہوتی ہیں، لیکن یہ بات ثابت شدہ ہے کہ آخری ایام میں جب حضور ﷺ مسجد جانے کی سکت نہ پا سکے تو نماز پڑھانے کی ذمہ داری حضرت ابوبکرؓ کو سونپی، نہ کہ حضرت علیؓ کو۔ (حالاں کہ مفسر کے مطابق ان کی وزارت کا اعلان ہو چکا تھا۔)

اس لیے مفسرین کی بیان کردہ یہ تفسیر ہی راجح ہے کہ ''ہم نے احکامِ الٰہی کا بوجھ شرحِ صدر کے ساتھ ہلکا کر دیا، یا مقامِ شہود سے بغرضِ تبلیغ مخلوق کی طرف نازل ہونے والا بوجھ ہم نے ہلکا کر دیا۔ ۳۳

(ب) آیت فَاِنَّ مَعَ العُسْرِ یُسْراً میں 'عُسْر' سے مراد فاضل مفسر نے اظہارِ خلافتِ علیؓ لیا ہے۔ گویا یہ آیت خاص ہے خلافتِ علیؓ کے اظہار کے ساتھ۔ حالاں کہ بہت سی احادیث سے ثابت ہے اور بیش تر مفسرین نے بھی لکھا ہے کہ یہ آیت عام ہے، تمام اہل ایمان کے لیے ان کے تمام حالات ہیں۔ ۳۴ اگر اسے خاص بھی مانا جائے تو قرآنی سیاق اور شانِ نزول سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ رسول اللہ ﷺ کے

ساتھ خاص ہے۔ کفار کے ایمان نہ لانے پر آپؐ اپنے دل میں ہر وقت تنگی محسوس کرتے تھے، یا کبھی جہاد کی مشقّت اور کفار کی طرف سے آنے والی تکالیف کو سوچ کر پریشان ہوجاتے تھے۔اس پر اللہ تعالیٰ نے تسلی دی کہ ہر تنگی کے بعد آسانی ہوتی ہے۔ ۳۵؎

(ج)آیت فَإِذَا فَرَغْتَ فَانْصَبْ وَإِلَىٰ رَبِّكَ فَارْغَبْ میں فاضل مفسر کے مطابق اللہ تعالیٰ نے خلافتِ علیؓ کا وقت مقرر کیا اور اپنے رسول ﷺ کو موت کی تیاری کا حکم دیا۔

اگر یہ حکم حضرت علیؓ کی بطورِ خلیفہ تنصیب کا ہے اور فاضل مفسر کے مطابق اللہ کے آسانی پیدا کرنے کے بعد آپؐ نے یہ حکم پورا بھی کر دیا تو آخری ایام میں آپؐ نے مسجدِ نبوی کا مصلّٰی حضرت ابو بکر صدیق کو کیوں سونپ دیا؟ ۳۶؎ اور حضور ﷺ کی رحلت کے بعد تمام صحابہؓ بشمول حضرت علیؓ خلافت کے استحقاق کی بابت متذبذب کیوں تھے؟ ۳۷؎ اور حضرت علیؓ نے بَلِّغُوا عَنِّي وَلَو آيَةً پر عمل کرتے ہوئے اپنی خلافت کا استحقاق ایک بار بھی کیوں نہیں یاد دلایا؟ حالاں کہ ان کے بارے میں کتمان، بزدلی، غم کی وجہ سے فرائض میں غفلت یا ذہول کا تصور کرنا ان کی توہین ہے، خصوصاً جب معاملہ پوری امت کی باگ ڈور سنبھالنے کا ہو۔

اپنے نظریات وعقائد کی اشاعت کسی بھی طبقہ کے حامل علماء کا بنیادی حق ہے، لیکن ان نظریات کی تائید کے لیے قرآن کریم کی تفسیر میں خلط مبحث کرنا یا ان کی غلط توجیہ کرنا کسی صاحبِ علم کو زیب نہیں دیتا۔ دیگر شیعہ مفسرین کی طرح سید فرمان علی شاہ نے بھی اپنے مخصوص نظریات کے اثبات کے لیے غیر معتبر تاریخی روایتوں پر اعتماد کرتے ہوئے احادیثِ متواترہ، قرآنی سیاق و سباق اور لغت کے برعکس معانی بیان کیے ہیں۔انھوں نے سلیس، عام فہم اور رواں اردو میں غیر معتبر روایتوں کے ساتھ اہلِ سنت کی معتبر کتب سے بے ربط اقتباسات اس طرح پیش کیے ہیں کہ قاری ان کی بیان کردہ تشریحِ آیات سے متاثر ہونے لگتا ہے۔اس لیے اس قسم کی تفاسیر کے سقم کو امت کے سامنے واضح کرنا اہلِ علم کی ذمہ داری ہے۔

حواشی ومراجع

۱۔ محمد حسنین، شیخ، برصغیر کے شیعہ علماء کی تفسیری تالیفات، نورِ معرفت، نور الہدیٰ ٹرسٹ، سادات کالونی بارہ کہو، اسلام آباد، ۲۰۱۳ ص:۱۶

۲۔ امروہوی، شہوار حسن، سید، تذکرہ مفسرین امامیہ برصغیر، مطبوعہ ہندوستان، ۲۰۱۲، ص:۲۵۵

۳۔ الفاضل القائینی النجفی، علی، معجم مؤلفی الشیعۃ، وزارۃ الثقافۃ والارشاد الاسلامی، مؤسسۃ الطبع و النشر، تہران، ایران ۱۴۰۶ھ، ص:۴۰۱ ۴۔ تذکرہ مفسرین امامیہ برصغیر، ص:۲۵۶

۵۔ حافظ فرمان علی، القرآن الحکیم مترجم، چاند کمپنی، لاہور، ص:۱۶/۸

۶۔ السیوطی، جلال الدین، عبدالرحمان بن ابی بکر، الدرالمنثور فی التفسیر بالماثور، دار ہجر، مصر، ۲۰۰۳، جلد:۱/ ۳۲۳

۷۔ العلوی الشنقیطی، أحمد ولد الکوری، بلوغ الأمانی فی الرد علی مفتاح التیجانی، ۱/ ۲۴

۸۔ حوالہ سابق

۹۔ الشیخ الکلینی، محمد بن یعقوب، الکافی، دار الکتب الاسلامیۃ، طہران، ایران، ۱۳۶۲ھ، ۳/ ۳۰۵

۱۰۔ الطبرسی، خاتمۃ المحدثین، میرزا حسین، مستدرک الوسائل و مستنبط المسائل، مؤسسہ آل البیت لاحیاء التراث، البیروت، ۵/ ۲۳۸

۱۱۔ ابو اسحاق الجوزجانی، ابراہیم بن یعقوب، احوال الرجال، مؤسسۃ الرسالۃ، بیروت، ۱۴۰۵ھ، ص:۸۱، ۱۹۲، السیوطی، اسماء المدلسین، دار الجیل، بیروت، ص:۳۶، ۵۵

۱۲۔ حافظ فرمان علی، القرآن الحکیم مترجم، ص:۹۷

۱۳۔ الدرالمنثور فی التفسیر بالماثور، ۴/ ۳۲۸

۱۴۔ حوالہ سابق، ص:۳۳۲، البیہقی، أبو بکر أحمد بن الحسین بن علی والماردینی الشہیر بابن الترکمانی، علاء الدین علی بن عثمان السنن الکبری وفی ذیلہ الجوہر النقی مجلس دائرۃ المعارف النظامیۃ، حیدرآباد، ۱۳۴۴ھ، حدیث نمبر ۱۴۵۶۶، البغدادی الدارقطنی، ابو الحسن علی بن عمر بن احمد، سنن الدار قطنی، مؤسسۃ الرسالۃ، بیروت، لبنان، ۲۰۰۴ء، حدیث نمبر ۳۶۴۵

۱۵۔ صحیح بخاری، کتاب النکاح، باب نہی الرسول عن نکاح المتعۃ، ۵۱۱۵، صحیح مسلم، کتاب النکاح، باب نکاح المتعۃ، ۱۴۰۷ ۱۶۔ مسند احمد، مسند المدنیین، حدیث نمبر ۱۶۵۵۲

۱۷۔ المبارک فوری، أبو العلاء محمد عبد الرحمن بن عبد الرحیم، تحفۃ الأحوذی بشرح جامع الترمذی، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، حدیث نمبر:۱۱۲۱، الہرانی الأصبہانی، أبو نعیم أحمد بن عبد اللہ بن أحمد، المسند المستخرج علی صحیح الإمام مسلم، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، ۱۹۹۶ء، حدیث نمبر:۳۲۵۵

۱۸۔ صحیح مسلم، کتاب النکاح، باب نکاح المتعۃ، حدیث نمبر ۱۴۰۶

۱۹۔ حافظ فرمان علی، القرآن الحکیم مترجم، ص:۵۰۵/ ۵۵۰
۲۰۔ القرشی الدمشقی، أبوالفداء إسماعیل بن عمر بن کثیر، تفسیر القرآن العظیم، دار طیبة للنشر والتوزیع ۱۹۹۹ء، ۶/۴۱۱
۲۱۔ الطبری، ابوجعفر محمد بن جریر، جامع البیان فی تفسیر القرآن، دار ہجر، مصر، ۱۹/۱۰۸، تفسیر ابن کثیر، حوالہ سابق، ۶/۴۱۶
۲۲۔ البصری، ابوسعید بن الاعرابی، احمد بن محمد، معجم ابن الاعرابی، دار ابن الجوزی، السعودیة، ۱۹۹۷ء، حدیث نمبر ۲۰۴۹
۲۳۔ الاصبہانی، ابونعیم، معرفة الصحابة، حدیث نمبر: ۶۷۸۶، البغدادی، ابوبکر محمد بن عبد اللہ، کتاب الفوائد (الغیلانیات)، دار ابن جوزی، الریاض، السعودیة، ۱۹۹۷ء، حدیث نمبر ۲۵۹
۲۴۔ تفسیر طبری: ۱۹/ ۱۰۴
۲۵۔ الطحاوی، ابوجعفر احمد بن محمد، شرح مشکل الآثار، مؤسسة الرسالة، ۱۴۹۴ھ، حدیث نمبر ۶۸۷
۲۶۔ صحیح مسلم، دار الجیل بیروت، دار الآفاق الجدیدة، بیروت، حدیث نمبر: ۷۶۳۸، البیہقی سنن الکبریٰ للبیہقی، مکتبہ دار الباز، مکة المکرمة، ۱۹۹۴ء، حدیث نمبر: ۱۳۰۱۷
۲۷۔ الدمشقی الحنبلی، أبوحفص عمر بن علی ابن عادل، تفسیر اللباب لابن عادل، دار النشر ودار الکتب، بیروت، ص: ۴۶۵۷، الشیبانی، احمد بن حنبل، مسند الامام احمد بن حنبل، مؤسسة قرطبة، القاہرة، ۱۱۱۴۷
۲۸۔ الدر المنثور فی التفسیر بالماثور، ۱۲/۳۶۳، الحسینی الآلوسی، شہاب الدین محمود بن عبد اللہ، روح المعانی فی تفسیر القرآن العظیم والسبع المثانی، دار الکتب العلمیة، بیروت، ۱۴۱۵ھ، ۱۱/ ۱۹۴
۲۹۔ الدر المنثور فی التفسیر بالماثور، ۱۲/۳۶، روح المعانی، ۱۱/ ۱۹۴
۳۰۔ حافظ فرمان علی، القرآن الحکیم مترجم، ص: ۷۱۷ ۳۱۔ تفسیر طبری، ۸/۷۹
۳۲۔ تفسیر ابن کثیر، ص: ۱۵۱، البخاری، الجامع الصحیح، دار الشعب، القاہرة، ۱۹۸۷ء، حدیث نمبر ۱۷۳۹
۳۳۔ الحقانی الدہلوی، ابومحمد، عبد الحق، تفسیر فتح المنان المشہور بہ تفسیر حقانی، میر محمد کتب خانہ مرکز علم و ادب، آرام باغ کراچی، ۵/۲۰۱۔۲۱۲
۳۴۔ ابوجعفر محمد بن جریر الطبری، جامع البیان فی تاویل القرآن، مؤسسة الرسالة، ۲۰۰۰ء، ۲۴/ ۴۹۳۔ الدر المنثور فی التفسیر بالماثور، ۱۵/ ۵۰۰۔۵۰۳
۳۵۔ تفسیر طبری، ۲۴/ ۴۹۳، العثمانی المظہری، محمد ثناء اللہ، التفسیر المظہری، دار احیاء التراث العربی، بیروت، ۲۰۰۴ء، ص: ۴۲۴۴
۳۶۔ السیوطی، تاریخ الخلفاء، مطبعة السعادة، مصر، ۱۹۵۲ء، ص: ۶۳، ابن کثیر، البدایة والنہایة، دار احیاء التراث العربی، بیروت، ۱۹۸۸ء، ۵/ ۲۵۲
۳۷۔ السیوطی، تاریخ الخلفاء، ص: ۶۳، ابن کثیر، البدایة والنہایة، ۵/ ۲۶۵۔۲۷۰

قدیم انگریزی ادب اور اسلام

________ جناب زریاب احمد فلاحی

قدیم انگریزی ادب اور اسلام کے بارے میں اس کے موقف کو موضوع بحث بنانے سے قبل عام انسانی تاریخ کے اس دور کا عمومی اور انگریزی ادب کی تاریخ کا خصوصی مطالعہ ضروری ہے۔ یہ تاریخ یورپ کا تاریک دور (Dark Age) کہلاتا ہے، کیوں کہ تاریخ کے اس عہد میں یورپ اور جملہ یوروپین اقوام بارہ (۱۲) صدیوں سے زیادہ عرصہ تک وحشت و بر بریت اور جہالت کی گھٹا ٹوپ تاریکیوں میں ڈوبی ہوئی تھیں۔ چہار سو قبائلی جنگوں کا بول بالا تھا اور بت پرست مذاہب کا چلن تھا۔ طوائف الملوکی عام تھی اور ایسا لگ رہا تھا، جیسے جنگل راج قائم ہے۔ عالم مشرق میں ضوفگن اسلامی تہذیب وثقافت اور اس کے اہم ترین مراکز سے یوروپ کوسوں دور تھا۔ اسے تہذیبِ اسلامی سے کچھ واقفیت نہ تھی۔ جزیرۃ العرب، فلسطین، مصر، شمالی افریقہ، حبشہ، (موجودہ ایتھوپیا) یمن، وغیرہ ممالک میں مسیحیت کے فروغ کے پانچ صدیوں بعد یورپ اس سے واقفیت ہوسکا۔ ا؎

یورپ میں مسیحیت کا تعارف چھٹی صدی میں ہو۔ مغربی دنیا میں سب سے پہلے ۵۲۹ء میں اٹلی میں عیسائی گرجے کی تعمیر ہوئی، جو یورپ میں تبلیغ مسیحیت کی پہلی جائے قرار تھی۔ یہ سب ان مسیحی مبلغین کی کوششوں کا ثمرہ تھا جنھوں نے قسطنطنیہ سے نکل کر یورپ میں اپنی دعوتی وتبلیغی سرگرمیاں انجام دیں۔ بعد ازاں عیسائیت کو یورپ میں فروغ حاصل ہوا، مگر نویں صدی سے قبل مسیحیت کو یورپ کی سرزمین پر استحکام نہ حاصل ہوسکا۔ ۲؎

برطانوی قوم مختلف الانواع نسل و تہذیب کا مجموعہ ہے۔ یہ Celt, Iberians Viking, Saxon, Roman اور Norman اقوام کا مرکب ہے۔

برطانیہ کے قدیم ترین باشندے غالباً Iberians ہیں، جو اسپین سے آئے تھے۔ اسکاٹ لینڈ اور آئر لینڈ کے باشندے خود کو انہی کی نسل سے منسوب کرتے ہیں۔ Iberians کے بعد ۶۰۰ ق م میں وسطی یورپ سے Celts آئے۔ Welsh خود کو ان کی اولاد مانتے ہیں۔ بعد ازاں رومیوں نے برطانیہ پر شہنشاہ Claudius کے دور حکومت میں ۴۷ء میں قبضہ کیا اور ۴۱۰ء تک زمام حکومت سنبھالے رکھی۔ Saxons، Angles اور Jutes نامی جرمن قبائل نے ۴۵۰ء میں حملہ کیا۔ Normans کو ۱۰۶۶ء میں حکومت ملی۔ ۳؎

فرانس کے Brittany علاقہ کے Celt قبائل نے The English Channel کو فرانس کے مغربی جانب سے عبور کیا اور اپنے مدّمقابل جزیرۂ برطانیہ کے مشرقی حدود میں جا پہنچے اور اسے برطانیہ عظمیٰ اور فرانس کے Brittany کو برطانیہ صغریٰ کا نام دے دیا۔ رومیوں کے آنے تک یہ قبائل وہیں رہے۔ رومیوں نے عرصۂ دراز تک انھیں اپنے زیر حکومت رکھا، پھر انھیں جلاوطن کردیا، تب ڈنمارک و جرمن اصل کے مذکورہ تینوں قبائل نے آ کر اس جزیرہ برطانیہ پر یلغار کردی اور اس کے باشندوں کو مغرب اور شمال کی جانب بھگا دیا اور خود برطانیہ کبریٰ میں، جسے Celts نے سابقہ ادوار میں Brythons کا نام دیا تھا، متوطن ہو گئے۔ ان تینوں قبائل کی اصل Teutonic قبائل ہیں۔ Angles کا قبیلہ ڈنمارک کی شبہ جزیرہ Jutland سے آیا اور انگلینڈ کے مشرقی اور وسطی علاقوں میں بود و باش اختیار کی۔ Saxions قبیلہ جنوبی ڈنمارک اور مشرقی ہالینڈ سے ہجرت کر کے آیا اور انگلینڈ کے جنوب و جنوب مغربی حصوں میں سکونت پذیر ہوا، جب کہ Jutes نہر Rhine کے مشرق میں واقع سرسبز و شاداب نشیبی علاقوں سے ظاہر ہوا اور انگلینڈ کے جنوب مشرق اور Kent میں آباد ہوا۔ ان تینوں قبائل نے جب Celtic قوم (جو ان سے قبل برطانیہ عظمیٰ میں سکونت پذیر تھی) پر حملہ کیا تو انھیں انگلینڈ کے شمال و مغرب کے دو علاقوں Ireland اور Wales کی جانب ہجرت کرنے پر مجبور کیا۔ یہ قبائل سرزمین انگلستان میں پانچویں صدی کے آخر اور چھٹی صدی

کی ابتدا میں نمودار ہوئے۔ ۴؎ مذکورہ قبائل نے انگلینڈ میں سات چھوٹی چھوٹی درج ذیل سلطنتیں قائم کیں: Saxons نے تین Sussex,Surrey اور Wessex جب کہ Angles نے بھی تین Northumbria، Mercia اور East Anglen اور Jutes نے ایک Kent نامی سلطنت قائم کی۔ ۵؎ ان تینوں قبائل میں چوں کہ Angles سب سے زیادہ تھے، اس لیے نیا وطن Britain پہلے Anglaland اور پھر بتدریج تبدیلی کے مراحل سے گزر کر پہلے Englelond اور بالآخر England کے نام سے موسوم ہو گیا۔ ۶؎

ان قبائل کے درمیان تہذیبی ولغوی امتیازات نہیں تھے۔ طرز معاشرت یکساں تھا۔ ہر قبیلہ نے اپنی روایات کو قانون کا درجہ دے رکھا تھا۔ ان کی بیش تر تحریری دستاویزات میں جنگ وجدال، ظلم وبربریت، جرائم، ہیروازم اور شجاعت ودلیری کا بیان ملتا ہے، جیسا کہ تاریخ عالم کے سیاہ دور کے کسی بھی قبائلی نظام کا عام چلن ہوا کرتا ہے۔

جب آپسی جنگ وجدال کا خاتمہ ہو گیا اور ان قبائل کو امن وسکون کے لمحات میسر ہوئے تو ان کے طرز زندگی میں خوش نما تبدیلیاں آنے لگیں۔ انھوں نے اپنی روایات کا لبادہ اتار پھینکا اور نئے معاشرتی قوانین وضع کیے۔ ربط باہمی اور تعامل کے نتیجے سے رفتہ رفتہ ان کے ما بین ایک مشترک زبان وجود میں آئی، جس کی بنیاد Angles اور Saxons کی زبان تھی اور جو ترقی کر کے آج انگلش کے نام سے مشہور ہے۔ ۷؎ یہیں سے، یعنی ساتویں صدی کی ابتدا سے انگلش ترقی کی منزلیں طے کرتے ہوئے اپنی موجودہ صورت ومقام پر پہنچی ہے۔

یہ ایک معروف ومشہور حقیقت ہے کہ یہ قبائل اصلاً بت پرست تھے۔ وہ اس وقت تک بت پرستی پر قائم رہے جب تک کہ مسیحی تبلیغ کا طوفان اٹلی سے اٹھ کر ۵۹۷ء میں ان کے علاقوں تک نہیں پہنچ گیا۔ اس پہلے حملے کی سربراہی St. Augustine نے کی، جس کی سرپرستی میں Canterbury میں Christian mission کا قیام عمل میں آیا اور پھر انگلینڈ نے مسیحیت کا لبادہ اوڑھ لیا، یعنی انگلستان نے عیسایت قبول

کرلی۔۸؎ نتیجے کے طور پر ان قبائل کے احوال بھی یک سر بدل گئے۔ تاریخ کے اس دور میں یہ قبائل اسلام سے نا آشنا تھے۔ وجہ یہ تھی کہ ان کی جزیرۂ برطانیہ میں پہلی آمد کے دو صدیوں کے بعد رحمۃ للعالمین ﷺ کی بعثت ہوئی۔ مزید بر آں ابھی یہود بھی ان قبائل تک نہیں پہنچ سکے تھے کہ ان کے درمیان اسلام کی تصویر کو مسخ کریں اور حقائق کو توڑ مروڑ کر پیش کر سکیں۔ یہ پہلو بھی ملحوظ رہے کہ اس دور کا انگریزی ادب اپنی تحریری صورت میں اس حالت میں بھی نہیں تھا کہ وہ نسلاً بعد نسل منتقل ہو، گویا کہ یہ قبائل ادبی توارث سے محروم تھے۔ Emile Legouis نے اپنی مختصر تاریخ ادب انگریزی A Short History of English Literature میں اسی پہلو کی طرف اشارہ کرتے ہوئے لکھا ہے: ''انگریزی ادب اپنے صحیح معنیٰ میں چودہویں صدی کے آغاز سے قبل منصۂ شہود پر نہ آسکا تھا''۔۹؎

سینٹ آگسٹین (St.Augustine) پہلا رومی راہب ہے جس کو Angles اور Saxon قبائل کے درمیان تبلیغ مسیحیت کے پیش نظر اٹلی سے بھیجا گیا تھا۔ یہ ۶۰۱ء سے ۶۰۴ء تک شہر Canterbury میں واقع مرکزی گرجا کا اسقف اعظم تھا۔ اس کی وفات کے بعد تحریک تبلیغ مسیحیت نے زور پکڑا۔ Norman Daniel (متوفی ۱۹۹۲ء) ازمنۂ وسطی کا ممتاز مؤرخ ہے۔ اس کے مطابق St. John of Damascus (675-749) عربوں اور مسلمانوں سے متعلق عیسائی روایات کا اصل خالق وبانی ہے۔ Encyclopaedia Britannica کے مطابق:

"John of Damuscus succeeded his father as one of the Muslim Caliph's tax officials" (10)

(یوحنا دمشقی ایک مسلم خلیفہ کے دربار میں اپنے والد کا بطور محصولات افسر جانشین مقرر ہوا۔ وہ مشرقی راسخ العقیدہ کلیسا کے ایک پادری اور شبیہ (Icon) کے تحفظ کے لیے معروف ہے۔ کیتھولک کلیسا میں اس کو معلم کلیسا اور عروج مریم پر تصانیف کی وجہ سے اکثر 'معلّم عروج' کہا جاتا ہے۔ رومن کیتھولک کلیسا میں اسے بعض اوقات آخری کلیسائی باپ (Father) بھی کہا جاتا ہے۔ ۱۸۹۰ء میں اس کا نام جنرل رومن

کلینڈر میں شامل کیا گیا۔ اسی دینی علوِ مرتبت کے پیشِ نظر اسے دو شاندار لقب ’قدّیس‘ اور ’سونے کا سرچشمہ‘ سے نوازا گیا۔ مغرب میں مطالعۂ قرآن کی تاریخ بھی اسی یوحنا سے شروع ہوتی ہے۔ چوں کہ وہ تہذیبِ اسلامی کے اعلیٰ حکومتی اور علمی فضا اور تمدّن کے گہوارے سے براہ راست واقف تھا اور عربی زبان کا ماہر تھا۔ ساتھ ہی وہی اسلام اور مسیحیت کی اولین کش مکش اور تصادم کا نقطۂ اتصال تھا۔ لہٰذا تاریخی طور پر وہی بحث و تحقیق اور مطالعۂ قرآن کے میدان میں سبقت بھی لے گیا۔ اسلام، پیغمبر اسلام ﷺ اور قرآن کی مخالفت میں اپنی آراء کی تلخیص اس نے اپنی سب سے مشہور تصنیف The Fount of Knowledge میں پیش کیا۔ یہ منطق و فلسفہ، بدعات اور الٰہیات پر مشتمل ہے۔ اس نے اسلام کو عیسائی ارتداد کی شکل میں پیش کیا۔ اس نے اپنی تصنیف De Haeresibus (730) کے آخری ابواب میں حضرت محمد مصطفی ﷺ کو موضوع بحث بنایا ہے اور آپؐ کو عیسائی کافر و مرتد، ملحد، جھوٹا اور جعلی نبی بتایا ہے۔ اس کے مطابق اسلام درحقیقت عیسائیت کی کوکھ سے جنم لینے والی جملہ خرافات و بدعات میں سب سے آخری اور عظیم ترین بدعت ہے۔ ۱۱؎ یہ کوئی نیا مذہب نہیں ہے، بلکہ عیسائی بدعت ہے۔ یہ ان بت پرستوں کا مذہب ہے جن کے درمیان ایک جھوٹے نبی Mamed کا ظہور ہوا۔ اس نے اپنی کتاب Fount of Knowledge میں کلیسا کو درپیش ایک سو بدعات کا ذکر کیا ہے۔ اس کے مطابق آپؐ نے ایک Arian راہب کی مدد سے عیسائی مصادر کا استعمال کر کے قرآن کی تالیف کی اور دعویٰ کر ڈالا کہ خدائے کریم نے اسے قرآن کی صورت میں معجزہ نما وحی سے سرفراز فرمایا ہے۔ پیغمبر اسلام حضرت محمد ﷺ نے حضرت عیسیٰؑ کے صلیب پر چڑھانے اور ان کے الوہیت کے عقیدہ کا جو انکار کیا ہے، Jhon نے بالخصوص انہی امور کو چیلنج کیا ہے۔ ۱۲؎

۶۳۴ء میں سلطنت روما کی فیصلہ کن شکست کے بعد کلیسا کو یوروپین معاشرہ میں بڑا اہم مقام حاصل ہوا۔ اس نے عیسائی دنیا کو بالخصوص یورپ میں اشاعتِ اسلام سے محفوظ رکھنے کے لیے قائدانہ رول ادا کیا۔ اس مقصد کے پیشِ نظر اس نے مغرب میں

اسلام کی تصویر کو خوب مسخ کر کے پیش کیا اور بر وقت St. John of Damascus کے خیالات کی تشکیل جدید کی اور انھیں عوام کے درمیان مشتہر کر دیا۔ ۱۳؎ اور اسلام کو عیسائی دنیا کا بڑا ہی ہول ناک اور قابل نفرت دشمن باور کرایا۔ اس طرح اب اسلام سے متعلق معلومات میں اضافہ ہونے لگا، لیکن ساتھ ہی اس سے چوکنا رہنے پر بھی زور دیا جانے لگا۔ لہٰذا ہم یہ نتیجہ اخذ کر سکتے ہیں کہ قدیم انگریزی ادب کے بعد کے ادوار میں اسلام اور پیغمبر اسلام ﷺ سے متعلق اشارات موجود ہیں، اگر چہ اس دور کی ابتدائی صدیوں میں اسلام کا کہیں ذکر نہیں ملتا۔ 'بشپ' (560-636) Isiodre حضرت محمد ﷺ کا ہم عصر ہے۔ اسلام سے متعلق اس کے بیانات، Methew Dimmock کی اطلاع کے مطابق، اس پہلو کی جانب اشارہ کرتے ہیں کہ اس نے اسلام کو ایک آزادانہ تشخص کے طور پر تسلیم ہی نہیں کیا۔ گمان غالب یہ ہے کہ اس نے اسے لائق اعتنا ہی نہیں سمجھا۔ یہ کوئی ایسا دور بھی نہیں تھا جب عیسائی مصنفین نے اسلام کو اس کی اپنی اصل یعنی قرآن پاک کی بنیادوں پر سمجھنے کی کوشش کی ہو۔ ۱۴؎

Southern, R.W. نے Western Views of Islam in the Middle Ages (Pages: 14-15) میں صراحت کی ہے کہ گیارہویں صدی عیسوی سے قبل کے مغربی مصنّفین بحیثیت دین اسلام کے بارے میں دراصل کچھ بھی نہیں جانتے تھے۔ "They knew virtually nothing of Islam as a religion." ان کی نظر میں اسلام مسیحی دنیا کو ہر سمت سے لاحق بہت سے خطرات اور دشمنوں میں سے بس ایک خطرہ یا دشمن تھا۔ وہ تو یہاں تک لکھتا ہے کہ اس بات کا بھی کوئی ثبوت نہیں ملتا کہ شمالی یوروپ میں کسی نے آپ ؐ کا نام بھی سن رکھا تھا۔ اس کے الفاظ میں "There is no sign that anyone in Nothern Europe had even heard the name of Mahomet." (P.15) جب کہ اسی کتاب کے صفحہ ۲۸ پر وہ لکھتا ہے کہ ۱۱۰۰ء سے قبل اسپین اور جنوبی اٹلی کے باہر کے ادب میں Mahomet کے نام کا ذکر صرف ایک بار Ralf Glaber کی تاریخ میں ۹۷۲ء

میں ہوا ہے۔ ''انہی وجوہ کی بنا پر ۷۰۰ء Southern تا ۱۱۰۰ء کو عہد بے خبری (The Age of Ignorance) کا نام دیتا ہے''۔ ۱۵؎

''یوروپ ایک مدت تک اسلام کے متعلق مطلق کچھ نہیں جانتا تھا''۔ ۱۶؎

Byron Porter Smith کی کتاب Islam in English Literature کے Introduction میں لکھا گیا ہے:

"The first Western contact with Islam can be traced back to the early part of the eighth century, that is, less than a century after the birth of Islam"(17)

''مغرب پہلی بار اسلام کے ربط میں آٹھویں صدی کے شروع میں آیا۔ یعنی ابھی آغاز اسلام کی ایک صدی بھی نہیں گزری تھی۔''

حقیقتِ واقعہ یہ ہے کہ مشرق و مغرب اسلام کے ربط میں ۶۲۸ء میں ہی آگئے تھے، جب حضرت محمد ﷺ نے سلاطین کے نام دعوتی و تبلیغی خطوط ارسال کیے تھے۔ ظاہر سی بات ہے، ان خطوط میں اسلام، توحید خالص اور رسالت محمدی ﷺ کے اقرار کی دعوت دی گئی تھی۔ آپؐ نے نجاشی شاہ حبش اور ہرقل شہنشاہِ روم کو متعدد خطوط لکھے۔ دونوں نے آپ کی دعوت پر لبیک کہا، ساتھ ہی یہ بھی خبر دی کہ ان کی قوم ایمان لانے پر آمادہ نہیں ہے۔

لیکن شہنشاہِ ایران خسرو پرویز نے مکتوبِ نبوی کو پھاڑ کر پھینک دیا تھا اور مسلمان سفیر کو دربار سے نکلوا دیا تھا، جس پر آپؐ نے کسریٰ کی سلطنت کے ٹکڑے ٹکڑے ہوجانے کی پیشن گوئی فرمائی تھی، جو حضرت عمرؓ کے دورِ خلافت میں احنفؓ بن قیس کے ذریعہ ساسانی حکم راں یزدگرد کے ملک بدر کرنے کے ذریعہ پوری ہوئی۔ قیصر روم ہرقل نے اسلام تو قبول نہیں کیا، لیکن آپؐ کے قاصد سے اچھا سلوک کیا۔ بصریٰ کے حاکم نے آپؐ کے قاصد کو قتل کرا دیا تھا، چنانچہ انتقام کے لیے آپؐ نے ایک فوج روانہ کی، مگر وہ اپنے مقصد میں کام یاب نہ ہوسکی، لہٰذا آپؐ کی وفات کے بعد خلیفۂ اول حضرت ابوبکرؓ

نے رومیوں کے زیر قبضہ ملک شام پر باقاعدہ لشکر کشی شروع کر دی۔ حضرت خالدؓ بن ولید نے حضرت عمرؓ کے زمانۂ خلافت کے دوران یرموک کے میدانِ جنگ میں رومیوں کو شکست سے دوچار کیا۔ مشہور صحابی عمرؓ بن عاص نے پورا مصر فتح کرلیا اور پھر آگے بڑھ کر مغرب میں برقہ اور طرابلس کو بھی اسلامی خلافت کے حدود میں شامل کرلیا۔ حضرت عثمانؓ کے عہد میں اسلامی حکومت پہلے سے بھی زیادہ وسیع ہوگئی۔ مشرق میں غزنی اور کابل تک کا علاقہ مسلمانوں کے قبضہ میں آگیا اور مغرب میں تونس پر، جو اس زمانہ میں افریقہ کہلاتا تھا، مسلمانوں کا قبضہ ہوگیا، ایشیائے کوچک میں بھی فتوحات ہوئیں۔

اسلام کے ابر کرم سے سیرابی نے عربوں کی دنیا بدل دی۔ ان کے اعلیٰ اخلاق و کردار اور گریۂ شبانہ کا مشاہدہ خود رومیوں نے کیا تھا۔ ہرقل نے ایک مرتبہ اپنے ساتھیوں سے پوچھا:

> ''جب عرب تم سے تعداد، اسلحہ اور ساز و سامان، غرض ہر چیز میں کم ہیں ،تو پھر تم ان کے مقابلہ میں کیوں کامیاب نہیں ہوتے''
>
> اس پر ایک شخص نے جواب دیا:
>
> ''عرب کے اخلاق ہمارے اخلاق سے اچھے ہیں۔ وہ رات کو عبادت کرتے ہیں اور دن کو روزہ رکھتے ہیں۔ وہ کسی پر ظلم نہیں کرتے۔ ایک دوسرے سے برابری کا سلوک کرتے ہیں'' ۱۸؎

یہ واقعہ اس بات کی دلیل ہے کہ مشرق و مغرب اسلام، مسلمان۔ عہدِ رسالت اور عہدِ خلافت راشدہ سے واقف تھے۔

سلاطین کو رسول اللہ ﷺ نے ۶۲۸ء میں خطوط بھیجے تھے۔ اس کے محض چھ سات سال بعد ۶۳۴ء میں عرب افواج نے شام کو فتح کرلیا۔ عیسائی مغربی دنیا نے اپنے بہت سے نظریات عیسائی مشرقی دنیا بالخصوص اسی بزنطینی سلطنت سے اخذ کیا۔ اسی طرح لاطینی یوروپ نے اسپین سے کسب فیض کیا، جس پر عربوں نے ۷۱۱ء میں قبضہ کیا۔ لاطینی یوروپ نے سسلی سے بھی استفادہ کیا جو ۸۲۵ء سے ۱۰۹۱ء تک عربوں کے زیر سایہ رہا۔

اسی پس منظر میں غلبۂ روم کی قرآنی پیشن گوئی کا مطالعہ بھی برمحل نظر آتا ہے۔ بعثت نبوی کے پانچویں سال یعنی ۶۱۳ء میں عرب کی دونوں ہم سایہ سلطنتوں روم و فارس میں ایک خوں ریز جنگ چھڑ گئی۔ اگرچہ ان دونوں میں کسی نے بھی اسلام قبول نہیں کیا تھا، تاہم رومی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے پیرو اور اہل کتاب تھے اور ایرانیوں کے عقائد مشرکین مکہ کے عقائد کے ساتھ مطابقت رکھتے تھے۔ اس لیے لازمی طور پر مسلمانوں کو رومی عیسائیوں کے ساتھ اور مشرکین کو ایرانیوں کے ساتھ ہمدردی تھی۔ اسی وجہ سے دونوں کو بڑی بے صبری سے نتیجہ کا انتظار تھا۔ ایرانیوں نے رومیوں سے شام، فلسطین، یوروشلم، مصر اور ایشیائے کوچک کے وسیع علاقے چھین لیے۔ غرض اس وقت سلطنتِ روم کے پُرزے پُرزے اڑ گئے تھے۔ خزانہ خالی تھا، فوج منتشر تھی، ملک میں بغاوتیں پیدا تھی، شہنشاہ روم ہرقل ہمہ تن عیاش، بے پروا، مست اور مبتلائے اوہام تھا۔ ایرانیوں کا سپہ سالار قسطنطنیہ کے دروازے پر پہنچ کر رومیوں کے سامنے شرم ناک شرائط صلح پیش کر رہا تھا۔ شہنشاہِ ایران قیصر روم کو اپنے تخت کے نیچے زنجیروں میں جکڑا ہوا اور سورج دیوتا کو سجدہ کرتے ہوئے دیکھنا چاہ رہا ہے۔ ان حالات میں سورۃ روم نازل ہوئی جس میں پیشین گوئی کی گئی کہ چند سال (بضع سنین) میں رومی پھر غالب ہو جائیں گے۔

گبن اس پیشن گوئی کے بارے میں لکھتا ہے: ''جس وقت یہ پیشن گوئی کی گئی تھی، کوئی پیشن گوئی اس سے زیادہ دور از قیاس نہیں ہو سکتی تھی، کیوں کہ ہرقل کی بارہ سال (۶۱۰ء سے ۶۲۲ء تک) کی حکومت سے بالکل ظاہر ہو گیا تھا کہ رومی شہنشاہی کا شیرازہ بکھر جائے گا''۔[۱۹]

اس پیشین گوئی کے نویں سال غزوۂ بدر کے موقع پر یہ پوری ہوئی اور عین اس وقت جب مسلمانوں نے بدر کے میدان میں قریش کو شکست دی، رومیوں نے ایرانیوں پر غلبہ حاصل کیا۔

اس تاریخی پس منظر کو ملحوظ رکھا جائے تو نتیجہ اخذ کیا جا سکتا ہے کہ اسلامی مشرقی اور عیسائی مغربی دنیاؤں کے مابین جاری کش مکش، تصادم اور جارحیت کی صرف اور

صرف ایک وجہ اسلام کے اصل مزاج سے عدم واقفیت ہرگز نہیں تھی، کیوں کہ مذکورہ بالا اسباب کی بنا پر جہالت کے پردہ کو چاک کرنے کے لیے اس وقت بھی بہت سا براہ راست مواد موجود تھا اور بعد کے ادوار میں بھی یہ سہولیات میسّر رہیں۔ مغرب کی اس مخالفانہ روش کے اسباب وعوامل بنیادی طور پر مذہبی نہیں تھے بلکہ اصلاً وہ سیاسی، عسکری، نسلی اور اقتصادی تھے۔

انگریزی ادب کی اولین کاوشوں کا نمائندہ Anglo-Saxon ادب ہے۔ اس کی حقیقی تاریخ ساتویں صدی سے شروع ہو کر ۱۰۶۶ء تک بسیط ہے۔ Edward Albert نے History of English literature میں اس دور کو نثری میدان میں ۱۱۵۰ء تک وسعت دی ہے۔

قدیم انگریزی ادب کا تانا بانا عام عالمی ادبیات کی طرح رومانی داستانوں (Romance) اور Heroic Poems سے بنا گیا ہے۔ اس ادب کو مخطوطات کی شکل میں محفوظ رکھا گیا ہے، جن کے چار مجموعے درج ذیل ہیں: ۲۰

1-(1631-1571) Sir Robert Cotton کا جمع کردہ مخطوطہ، جو کہ برٹش میوزیم کی زینت بنا ہوا ہے۔

2-Exeter Book۔ اس کو Bishop Leofric نے Exeter Cathedral کو دیا تھا۔

3-Verceli Book۔ یہ مخطوطہ اٹلی کے Milan شہر سے قریب واقع ایک چھوٹی سی بستی کی جانب منسوب ہے۔ اس کا علم ۱۸۲۲ء میں ہوا تھا۔

4-Bodleian لائبریری کا مخطوطہ۔

مسیحیت کی آمد سے قبل کا انگریزی ادب کسی بطل جلیل یا منصب دار کی شخصیت پر مرکوز ادب کا تسلسل تصور کیا جاتا تھا۔ گویا ادب بطل پرستی سے عبارت تھا۔ اس میں Heroism کا بیان ہوتا تھا، مافوق العادۃ مخلوقات و واقعات قلم بند کیے جاتے

تھے، طلسماتی دنیا کے احوال و کوائف زیر بحث آتے تھے۔ اس قسم کے ادب کی قدیم ترین مثال Beowulf ہے۔ یہ انگریز ادب کا سب سے قدیم اور عظیم ترین Epic یا Heroic Peom رزمیہ شاہ کار ہے۔۲۱؎

Beowulf کی کہانی کو چھٹی صدی عیسوی میں انگلستان لانے کا سہرا Angles کے سر بندھتا ہے۔ وہاں ۷۰۰ء کے آس پاس اس نظم کی تخلیق عمل میں آئی۔ اس وقت حضرت محمد مصطفی ﷺ کی وفات ہوئے تقریباً ستر (۷۰) برس گزر چکے تھے اور چین میں عظیم Dang Dynesty کی حکومت کا یہی وقت آغاز تھا۔ تین صدیوں بعد ۱۰۰۰ء کے قریب اس نظم کے مسودے کو تحریری شکل دی گئی۔ اگلی سات صدیوں میں اس کے ساتھ کیا کچھ ہوا، نہیں معلوم۔ ۱۷۰۶ء میں پتہ چلا کہ یہ Sir Robert Cotton کی لائبریری میں موجود ہے۔ اس کے محض چھبیس (۲۶) برس بعد لائبریری میں بھیانک آگ لگ گئی، لیکن Beowulf کا مسودہ کسی طرح نذر آتش ہونے سے بچ گیا۔ ۲۲؎

Beowulf کی کہانی Danes کے بادشاہ Hrothgar سے شروع ہوتی ہے، جس نے اپنی پیرانہ سالی میں دریا کے کنارے Heorot نامی دنیا کا لاثانی ہال تعمیر کروایا تھا، جہاں شب میں وہ اور اس کے امراء جمع ہو کر دعوتوں کا لطف اٹھاتے اور بھانڈ وگویوں کے نغموں سے محظوظ ہوا کرتے۔ ایک رات جب کہ وہ گہری نیند کے آغوش میں تھے، ایک انتہائی بھیانک وعجیب الخلقت دیو/عفریت Gerendel، جس کا نصف حصہ جن اور نصف انسان کا بنا تھا، ہال میں گھس آیا۔ تیس (۳۰) سورماؤں کو پلک جھپکتے موت کے گھاٹ اتار دیا اور ان کی لاشوں کو کھا جانے کے لیے اپنی بھٹ لے اڑا۔ یہ وحشت ناک حادثہ بڑی تیزی سے بار بار ہونے لگا۔ عظیم ہال میں ہر طرف موت اور خوف و ہراس کا ماحول طاری ہو گیا۔ جنگ جو پہلے تو بڑی بہادری سے لڑے، مگر جب دیکھا کہ اس عفریت کے مقابلے میں کوئی بھی ہتھیار کارگر ثابت نہیں ہو رہا تو الٹے پاؤں بھاگ کھڑے ہوئے۔ Heorot ویران ہو کر رہ گیا۔ عفریت نے اپنا یہ مہیب کھیل بارہ (۱۲) برسوں تک جاری رکھا، لہٰذا خوشیاں اب ماتم میں تبدیل ہو گئیں۔ بالآخر

Gerendel کی تباہ کاریوں کی افواہ سرزمین Geats تک پہنچی، جہاں Beowulf نامی ایک انتہائی طاقت ور اور حوصلہ مند جری مرد آہن بادشاہ Hygelac کے محل میں رہتا تھا۔Beowulf غضب کا تیراک بھی تھا۔سمندری مخلوقات سے نبرد آزمائی کا اسے کافی تجربہ تھا۔اس کی رگِ حمیت پھڑک اٹھی، کیوں کہ Danes کے باشندے اس کے والد کے دوست واحباب تھے، لہٰذا Gerendel سے دو دو ہاتھ کرنے اور اسے سبق سکھانے کی غرض سے اس نے اپنے چودہ (۱۴) ساتھیوں کو لے کر رخت سفر باندھا۔ منزل پر پہنچ کر ان کی خوب خاطر مدارات ہوئی ۔ رات ہونے پر Gerendel کا خوف سب پر طاری ہوگیا۔ اس لیے سب ہال سے رخصت ہو گئے، لیکن Beowulf اپنے جاں بازوں کے ساتھ وہیں لیٹا رہا اور فخریہ انداز میں اس نے کہا اگر اسلحہ و ہتھیار اس عفریت کے خلاف بے سود ثابت ہوئے تو ہمیں اپنے زور بازو پر مکمل اعتماد ہے، ہم اسے نہتے ہی قابو میں کرلیں گے۔ Gerendel کی آمد پر Beowulf نے اسے اپنی آہنی گرفت میں لے لیا اور اس کا بازو اکھاڑ پھینکا، جس کی وہ تاب نہ لاسکا اور اپنے بھٹ میں جا کر مرگیا۔اس کا انتقام لینے کے لیے اس کی ماں آئی اور بادشاہ سلامت کے دوست اور مشیر Aeschers کو اٹھا لے گئی۔ Beowulfاس کی بھٹ میں گیا اور اسے بھی موت کی نیند سلا دیا۔ ۲۳؎

نظم کے آخر میں ایک اور معرکہ کا بیان ہے ۔ Beowulf نے پچاس (۵۰) برسوں تک اپنے لوگوں کا چہیتا بن کر راج پاٹ کیا ۔ ہر دشمن کو اس نے تہہ تیغ کر ڈالا سوائے ایک اژدہے کے، جو پہاڑوں کے دامن میں چھپے ہوئے عظیم خزانہ کی رکھوالی کرتا تھا۔ دونوں کا مقابلہ ہوا۔ اژدہا مارا گیا، مگر Beowulf بھی شدید زخمی ہوگیا، چنانچہ زخموں کی تاب نہ لا کر مر گیا۔ ۲۴؎

اشعار و قصص کے ظہور اور قدیم انگریزی ادب کے احیا کے لیے Beowulf کو بنیاد کے پتھر کا درجہ حاصل ہے ۔شعری اوزان وبحور وقوافی اور موسیقی کی دھن پر مبنی اشعار قلم بند کرنے میں یہ نظم Beowulf ادباء وشعراء کے فطری میلانات کے لیے

انتہائی مقبول اور پُرکشش ثابت ہوئی، مزید یہ کہ دل کش فنی اور بلیغ تصویر کشی اور صنعت تجنیس کو اسی نظم کی وجہ سے ترقی نصیب ہوئی۔

Saxon, Angles اور Jutes قبائل کے عیسائیت قبول کر لینے اور St.Augustine کے اپنے تبلیغ مسیحیت کے مشن میں کام یاب ہو جانے کے بعد قدیم انگریزی ادب نے مذہب کا نیا رنگ وروپ اختیار کر لیا اور اس نے عیسائیت اور انبیائے عیسائیت بالخصوص حضرت مسیح عیسی بن مریم علیہما السلام کو اپنا مرکزی موضوع بنا لیا۔ اب اکثر ادباء کی تخلیقات میں دینی موضوعات کا ظہور ہونے لگا۔ ''ساتویں صدی سے لے کر گیارہویں صدی تک کا یہ ادب عیسائی پادریوں کا کارنامہ ہے''۔ ۲۵

Aldhelm (640-709 A.D.)، Alcuin (735-804 A.D.)، Bede (673-735 A.D.، Caedmon(7th century)، Cynewulf(8th century)(،St.John of Damascus (676-750 A.D.)، Aelfric (D. 11th century)، (Walfstan (D. 11th century)

سب بشپ، راہب، صدر راہب اور پادری ہیں۔ یہ دینی و مذہبی پہلو ۶۷۳ء تا ۷۳۵ء کے درمیانی عرصہ کی شعری کاوشوں میں خاص طور سے نمایاں ہے۔ قدیم انگریزی ادب کے شعری سرمایہ میں اس پہلو کے آثار نمایاں ہیں، جس کے نمونے رب، روح القدس اور حضرت مسیح علیہ السلام کی حمد و ثنا اور شکر وسپاس میں لکھی گئی نظموں میں ملتے ہیں۔ اس پس منظر میں Cynewulf کی چار نظموں کا تذکرہ یہاں مناسب ہوگا:

1-Christ 2-St. Juliana 3-Elene 4-The Fates of Apostles

Cynewulf آٹھویں یا نویں صدی کے ابتدائی دور کا ایک Mercian یا Northumbrian شاعر ہے۔ W.J.Long کے مطابق وہ عظیم ترین Anglo-Saxon شاعر ہے۔ ۲۶ وہ ان ابتدائی شعراء میں داخل ہے جو اپنے کلام پر دستخط کیا کرتے تھے۔ محولہ بالا صرف چار نظمیں ہی ایسی ہیں جن پر اس کا دستخط ثبت ہے۔ ۲۷ The Christ اس کی ممتاز ترین تخلیق ہے۔ تین حصوں: پیدائش، رفع مسیح علیہ السلام اور

آخرت پر مشتمل یہ ایک پند آموز نظم ہے۔ پوری نظم میں حضرت مسیحؑ سے گہری محبت اور مریم العذراء کا حد درجہ احترام نمایاں ہے۔ دنیا کی کسی بھی زبان کی کوئی دوسری نظم ابتدائی لاطینی مسیحیت کی روح کی اس سے بہتر عکاسی نہیں کرتی۔ ۲۸؎

Cynewulf اپنے شاعرانہ فن کے Andreas اور Elene کی تخلیق میں منتہائے کمال پر پہنچ جاتا ہے۔ Elene میں اصل صلیب کی دریافت کو موضوع گفتگو بنایا گیا ہے۔ The Fates of Apostles کا ہمارے مطالعہ سے براہ راست تعلق ہے۔ اس میں شاعر نے یہود و نصاریٰ کی کتابوں میں مذکور انبیاء بنی اسرائیل مثلاً حضرت عیسیٰؑ وغیرہ، راہ حق میں انھیں لاحق ہونے والی تکالیف و پیغام خداوندی کے ابلاغ و افہام و تفہیم کے لیے ان کی حتی المقدور کوششوں اور اس راہ میں بعض انبیاء کی شہادتوں کو موضوع بحث بنایا ہے، لیکن افسوس کہ شاعر نے پوری نظم میں کہیں بھی انبیاء و رسل کی اس انجمن میں حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کا ذکر خیر تک نہیں کیا۔ اپنی اس کارستانی سے وہ نبوت محمدی کا انکار کر دیتا ہے۔ شاعر کو یہود کے ذریعہ تحریف کردہ ان قدیم مصادر پر اعتماد ہے جو بعثتِ محمدی ﷺ کے منکر ہیں۔

طلوع آفتاب رسالت ﷺ کے وقت یہود و نصاریٰ کے اسلاف بھی اسی روش پر گام زن تھے۔ وہ آپؐ کی نبوت و رسالت کی صداقت و حقانیت سے بخوبی واقف تھے، کیوں کہ آپؐ کے اوصاف حمیدہ و جمیلہ کا ذکر خیر اہل کتاب کی کتابوں میں موجود تھا، لیکن حسد کی آگ سینوں میں طوفان مچائے ہوئے تھی۔ کیا سلف، کیا خلف، سب نے خاتم الانبیاء ﷺ کی مخالفت کو اپنا شیوہ بنا لیا۔

قدیم انگریزی ادب کے اس مختصر جائزے سے یہ واضح ہو جاتا ہے کہ چھٹی صدی عیسوی سے شروع ہو کر گیارہویں صدی تک محیط اس دور کے ادب میں اسلام، مسلمان اور حضرت محمد ﷺ کا ذکر بہت وسیع پیمانے پر نہیں ہوا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ آپؐ کا جو سنۂ ولادت ہے، یعنی ۵۷۱ء، تقریباً وہی وقت ان قبائل کے برطانیہ ہجرت کرنے کی ابتدا کا بھی ہے۔ پھر ۶۱۰ء میں آپؐ کی بعثت کے وقت قدیم انگریزی ادب اپنے عہد شیر خوارگی سے گزر رہا تھا اور بت پرستانہ افکار و خیالات پر قائم تھا۔ ۲۹؎

Beowulf سے متعلق Sir Ifor Evans کی مختصر تاریخ ادب انگریزی کا جو اقتباس ہم نے نقل کیا ہے اس سے یہ بھی واضح ہے کہ مؤرخین ادب انگریزی نے Beowulf کی تاریخ ظہور اور اسم محمد مصطفی ﷺ کو مربوط کرنے کی کوشش کی ہے۔

قدیم انگریزی ادب میں اسلام اور مسلمانوں سے متعلق محدود انداز کے اشارات مذہبی و دینی تحریروں کے ظہور اور ترقی و فروغ کے بعد منظر عام پر آئے ،مثلاً King Arther (م ۵۴۲ء) اور اس کے جاں باز منصب داروں سے متعلق رومانی داستانوں میں ایک داستان Mordred نامی سورما کی ہے،جس کی ایک Saraceen 'شرقیین' یعنی مسلمان شہسوار کافی مدد وحمایت کرتا تھا۔۳۰؎

'شرقیین' کی اصطلاح ظہور اسلام سے پہلے صحرائی عربوں کے لیے مخصوص ومحدود تھی،لیکن ظہور اسلام کے وقت سے ہر مسلمان کے لیے، چاہے وہ بادیہ پیما ہو یا شہروں کا خوگر ،عربی ،ترکی،یا ایرانی ہو، سب کے لیے استعمال ہونے لگی۔ Noman Daniel نے یہ نکتہ بیان کیا ہے کہ جس طرح اٹھارہویں صدی میں ترک (Turk) ہونا دراصل مسلمان ہوجانے کا ہم معنیٰ تھا، اسی طرح ازمنۂ وسطیٰ کے پس منظر میں شرقیین یا بربر (Sracen or Moor) ہونا دراصل مسلمان ہوجانے کے مترادف تھا۔گیارہویں اور بارہویں صدی کی رومانی داستانوں میں 'شرقیین' کی اصطلاح بلاتفریق مذہب کافر اور مسلمان سبھی طرح کے دشمنوں کے لیے استعمال ہونے لگی ۔ King Horn نامی منظوم داستانوں میں کافر اور ملحد Danes کو شرقیین کے لقب سے نوازا گیا ہے، جب کہ Jean Bodel کی تخلیق Chanson des Saisnes میں Saxons کو Mahomat کی عبادت و پرستش کرنے والوں کی حیثیت سے پیش کیا گیا ہے۔۳۱؎

Angles،Saxon اور Jutes قبائل کو ساتویں صدی تک عرب اور اسلام کی کچھ بھی معلومات میسر نہیں تھیں۔نویں صدی کے دوران جزیرۃ العرب اور مسلمانوں سے متعلق جو کچھ معلومات ان تک پہنچی وہ سب کی سب غلط ،جھوٹ اور غیر ثقہ تھیں۔ انھیں بتایا گیا تھا کہ عرب بت پرست ہیں، وہ عیسائیت کے علم بردار نہیں ہیں اور عرب

میں ایک شخص پیدا ہوا ہے جو مدعی نبوت ہے، وہ جملہ انبیاء بشمول حضرت عیسیٰؑ کے سلسلۂ نبوت کا اتمام کرنے آیا ہے۔ اسلام اور عیسائیت کی مشترک تعلیمات اور بنیادی اختلاف کے بیان کے بعد .Southern, R.W قرآن اور پیغمبر اسلام ﷺ کے بارے میں مغربی نقطۂ نظر کا اظہار کرتے ہوئے لکھتا ہے: ''مگر اسلام نے مستند صرف ایک ہی مصحف (قرآن) کو مانا ہے، جس میں مبہم طور پر عہد نامۂ قدیم و عہد نامہ جدید دونوں کی تعلیمات خلط ملط ہیں۔ ایک ایسی مقدس کتاب جس کو مغرب کے معدودے چند قرآنی جانکار عام طور سے لغویات سے پر سمجھتے تھے اور ایک منزل من اللہ نبی، جس کو مغرب میں متفقہ طور پر ناپاک و نجس زندگی گزارنے والا اور دنیاوی چال باز تصور کیا جاتا تھا''۔۳۲ دشمنان اسلام بالخصوص یہود غلط بیانی اور جھوٹے پروپیگنڈا کا بازار گرم کیے ہوئے تھے کہ مسلمان قدیم یونانی و فارسی تہذیب کے خوشہ چیں ہیں۔

حواشی و مراجع

۱۔ وزّان، عدنان محمد عبدالعزیز، صورۃ الاسلام فی الادب الانجلیزی، ج اول، ص ۲۱۳، دار اشبیلیا، ریاض، ط۱، ۱۹۹۸

۲۔ ایضاً، ص ۲۱۴

3 _Tilak, Raghukul, Social History of England,Prakash Book Depot, Bareilly, Ed-I,1996,P-2

۴۔ (I)- صور الاسلام فی ادب الانجلیزی، ج:۱، ص ۲۱۷ ۔ ۲۱۸

(II) Daiches,David.A Critical History of English literature, Allied publishers limited ,(Ed) 1999, Vol-I P-4

5_ Tilak, Reghukal, Social history of England, P-4

6_ Long. W.J, English literature ,A.I.T.B.S.publishers & distributors ,Delhi, 2002,P-23

7_ Carter,Ronald,and Mcrae,John,The Routledge history of literature in English Ed-II P-6

8_(I) -ibid

8_(II)_ Albert, Edward. History of English literature (Ed-5th) Oxford university ,2003,P-10

(III) یٰسین، محمد۔ انگریزی ادب کی مختصر تاریخ، ایجوکیشنل بک ہاؤس، علی گڑھ، اشاعت ۱۹۹۲، صفحہ ۱۳

9_(I) Legouis,Emile,Ashort hisiory of English literature ,Calcutta,1981 P-1

(II)۔ صورۃ الاسلام فی الادب الانجلیزی، ج اول، ص ۲۱۹

10_ The New Encyclopaedia Britannica, Vol,6,15th (ed) P-582

11_(I)_ Al-Olaqi, Fahd Mohammad Taleb Saeed "Image of the Messenger Muhammad (PBUH) in the English Llitrature From Early Middle Ages to Present , Quarterly Insight , Vol o2 , Issue 04, 1431/2010. International Islamic University, Pakistan, p-36-37

(I I) _ Kidwai , A.R. Images of the Prophet Muhammad (PBUH) in the English lietrature,Peter lang, New York, 2018, P-1

1 2 _ Kidwai , A.R. Images of the Prophet Muhammad (PBUH) in the English lietrature,Peter lang, New York, 2018, P-1

13_Al-Olaqi, Insights, Quarterly, Vol.2, Issue.4, 1431/2010, P.36,37.

14_Kidwai, A.R. Images of the Prophet Muhammas in English literature , Peter lang New York, 2018 ,P-1

15_ Kidwai, A.R.,The Crescent and The cross,1997,A.M.U Aligharh, P-1.

۱۶- شبلی، نعمانی، سیرۃ النبی ﷺ، دارالمصنفین، اعظم گڑھ، ۱۹۹۶ء جلد اول، ص ۵۶

17_ Smith, Byron Porter. Islam in English Literature,P- XVI

۱۸۔ حمید اللہ، سیاسی وثیقہ جات، مجلس ترقی ادب، ترقی ادب کلب روڈ، لاہور، طبع دوم، ۲۰۰۵، ص ۶۱

۱۹۔ ایضاً، ص ۶۲--۶۳

20_ Daiches,David,Vol.1,P-6

21_ Long,W.j,P-10

22_ Evans,Sir Ifor ,A short History of English Literature ,P-8

23_ Long,W,J,English Literature,P-10-16

24_ Ibid

۲۵_ یٰسین، محمد۔انگریزی ادب کی مختصر تاریخ، ص ۱۳

26_ Long,W,J,English Literature,P-36

27_ Ibid

28_ Ibid P-37

۲۹_ وزّان، عدنان محمد عبدالعزیز، صورۃ الاسلام فی الادب الانجلیزی، ج اول، ص ۲۲۵

۳۰_ ایضاً ص ۲۲۶_۲۷

31_ Islam in English Literature,P-xx-xxi.

32_ Southern,R.W. Western view of Islam P-6

عصر حاضر میں اسلام کے علمی تقاضے

مولانا سید جلال الدین عمری

یہ مولانا کے ان مقالات کا مجموعہ ہے جو مختلف اوقات میں سہ ماہی تحقیقات اسلامی علی گڑھ اور ماہ نامہ زندگی نو نئی دہلی میں شائع ہوتے رہے ہیں۔ان مقالات میں واضح کیا گیا ہے کہ اگر ہم چاہتے ہیں کہ دنیا اسلام کی طرف متوجہ ہو اور اس کی حقانیت تسلیم کرے تو ہمیں اس کے لیے بھرپور علمی اور فکری تیاری کرنی ہوگی اور اسلام کی روشنی میں موجودہ دور کے مسائل کا حل پیش کرنا ہوگا۔امید ہے کہ ان مقالات سے فکر و نظر کو تحریک ملے گی اور یہ اسلامی تحقیق کے عمل کو آگے بڑھانے میں معاون ثابت ہوں گے۔

صفحات: ۸۰ قیمت: ۵۲

بحث ونظر

مستشرقین کا تیار کردہ اشاریۂ حدیث

ڈاکٹر محمد رضی الاسلام ندوی

ضخیم کتابوں میں مطلوبہ مواد تک کم وقت میں اور آسانی کے ساتھ رسائی کے لیے فہرست سازی اور اشاریہ نگاری کے فنون وجود میں آئے۔ اشاریہ نگاری کو جدید ترین فن سمجھا جاتا ہے، حالاں کہ حقیقت یہ ہے کہ یہ مسلمانوں کا ایجاد کردہ ہے۔ انھوں نے مختلف علوم میں ایسی کتابیں صدیوں پہلے تیار کی تھیں جن کی مدد سے مطلوبہ مواد تک پہنچنے میں سہولت ہو۔ علمِ حدیث میں یہ کام کئی پہلوؤں سے ہوا ہے۔ مسانید میں ہر صحابی کی روایات کو یکجا کیا گیا۔ ایسی کتابیں تالیف کی گئیں جن میں اطراف حدیث (احادیث کے ابتدائی ٹکڑوں) کو حروف تہجی کی ترتیب پر جمع کیا گیا تھا۔ ایسی کتابوں میں ابومسعود دمشقیؒ (م ۴۰۱ھ) کی 'أطراف الصحیحین'، ابوالعباس احمد بن ثابت اصبہانیؒ (م مابعد ۵۲۱ھ) کی 'أطراف الکتب الخمسۃ'، ابن عساکر (م ۵۷۱ھ) کی 'الاشراف بمعرفۃ الأطراف'، مزّیؒ (م ۷۴۲ھ) کی 'تحفۃ الاشراف بمعرفۃ الأطراف'، نابلسیؒ (م ۱۱۴۳ھ) کی 'ذخائر المواریث فی الدلالۃ علی مواضع الأحادیث' قابل ذکر ہیں۔ ان میں ابن عساکر اور مزّی کی کتابوں کو بہت شہرت ملی۔ کچھ کتابوں کی تالیف معجم کے طور پر کی گئی کہ ان میں احادیث کے ابتدائی الفاظ کو حروف تہجی کی ترتیب پر جمع کیا گیا۔ علامہ جلال الدین سیوطیؒ (م ۹۱۱ھ) کی 'الجامع الکبیر، **الجامع الصغیر** اور **زوائد الجامع الصغیر** اسی طرز کی کتابیں ہیں۔ کچھ کتابیں موضوعاتی اعتبار سے تیار کی گئی ہیں کہ ان میں کسی ایک یا دو کتابوں کو منتخب کرکے اور کچھ موضوعات متعین کرکے انھیں ازسرنو مرتب کیا گیا ہے۔ مثلاً حمیدی الأندلسی (م ۴۸۸ھ) کی 'الجمع بین الصحیحین'، رزین

السر قسطیؒ (م ۵۳۵ھ) کی 'التجرید للصحاح الستة'، ابن الاثیرؒ (م۶۰۶ھ) کی 'جامع الأصول من أحاديث الرسول'، نورالدین ہیثمیؒ (م ۸۰۷ھ) کی 'مجمع الزوائد و منبع الفوائد، حافظ ابن حجر عسقلانیؒ (م ۸۵۲ھ) کی المطالب العالية بزوائد المسانيد الثمانية'، علی متقی ہندیؒ (م ۹۷۵ھ) کی 'کنز العمال من سنن الاقوال والافعال' اور احمد بن عبد الرحمن البناءؒ (م ۱۳۷۸ھ) کی 'الفتح الربّانی فی ترتیب مسند الامام أحمد بن حنبل الشیبانی اور 'منحة المعبود فی ترتیت مسند الطیالسی أبی داؤد' وغیرہ۔ ایک طریقہ یہ بھی اختیار کیا گیا کہ کسی متعین کتابِ حدیث کے بعض الفاظ کولغت کے انداز میں حروف تہجی کے لحاظ سے مرتب کیا گیا ہے، پھر وہ الفاظ جن احادیث میں آئے ہیں ان کا اندراج کیا گیا۔ اس سلسلے میں شیخ مصطفی بن علی بن محمد البیو می (م مابعد ۱۳۵۲ھ) کا نام لیا جاتا ہے، جنھوں نے اس طرز پر کتبِ ستہّ کی اہم کتابوں کی اشاریہ سازی کی تھی۔ مؤخر الذکر طرز پر مستشرقین کے تیار کردہ اشاریۂ حدیث المعجم المفهرس لألفاظ الحديث النبوی کوغیر معمولی شہرت ملی ہے۔ اس مقالے میں اسی کا تعارف مقصود ہے۔

المعجم المفهرس لألفاظ الحديث النبوی کومشہور مستشرق پروفیسر اے۔جے۔ونسنگ (۱۸۸۸ء۔۱۹۳۹ء)Arent Jan Wensink اور ان کے رفقاء نے مرتب کیا ہے۔ اس میں صحاح ستہ کے علاوہ موطا امام مالک، مسند احمد اور سنن الدارمی کے الفاظِ احادیث کی اشاریہ سازی کی گئی ہے۔ ان نو (۹) کتب حدیث میں موجود کوئی حدیث تلاش کرنی ہو، یا یہ جاننا ہو کہ فلاح حدیث ان میں سے کس کس کتاب میں آئی ہے؟ تو اس کتاب کی مدد سے اسے بہ آسانی تلاش کیا جا سکتا ہے۔

اس کتاب کی ترتیب و تالیف کا عرصہ تقریباً پینسٹھ (۶۵) برسوں (۱۹۲۲ تا ۱۹۸۷ء) پر محیط ہے اور تقریباً اتنی ہی تعداد ان دانش واروں اور محققین کی ہے جنھوں نے اس پروجیکٹ میں اپنا علمی تعاون پیش کیا ہے۔ اس طرح یہ اہم علمی کام چار (۴) نسلوں کی کاوشوں کا حاصل ہے۔ مغرب میں اجتماعی تحقیق کا جو رواج چل پڑا ہے۔ یہ کتاب اس کا ایک عمدہ نمونہ ہے۔

ونسنک۔مختصر تعارف

اے۔ جے۔ونسنک ۱۹۰۸ء سے ۱۹۲۷ء تک لیدن یونی ورسٹی University Of Leiden میں عبرانی زبان کے استاد رہے۔ سامی زبانوں کی معرفت میں انھیں کافی شہرت ملی۔ ۱۹۲۷ء سے وہ اسی یونی ورسٹی میں عربی زبان کے پروفیسر ہو گئے۔ اس منصب پر ان سے پہلے مشہور مستشرق کرسٹان سنوک ہرخرونجہ (۱۸۵۷ء۔۱۹۳۶ء)Christian Snouck Hurgronje فائز تھے۔

ونسنک نے اسلامیات پر مطالعہ وتحقیق کو اپنا خاص موضوع بنایا۔ ان کا پی ایچ ڈی مقالہ 'محمد اور یہود مدینہ' (طبع لیدن ۱۹۰۶ء) کے عنوان سے تھا۔ ۱۹۲۵ء میں انھوں نے انسائیکلو پیڈیا آف اسلام کی تدوین میں حصہ لیا اور اس کی چار (۴) جلدیں تیار کیں۔ ان کی چند تصانیف یہ ہیں:

- مشرقی (عیسائی اور اسلامی) تصوف (طبع لیدن ۱۹۲۸ء)
- اہلِ مشرق کے نزدیک مشیتِ واحدہ کا اعتقاد (طبع لیدن ۱۹۲۸ء)
- سریانی ادبیات میں مشرقی تصوف (طبع لیدن ۱۹۲۸ء)
- عقیدۂ اسلامی اور اس کا تاریخی ارتقاء (طبع کیمبرج ۱۹۳۲ء)
- غزالی کا فکر (طبع پیرس ۱۹۴۰ء)

ونسنک کو حدیث پر بھی علمی کام کرنے سے دل چسپی تھی۔ اس موضوع پر ان کی ایک اہم کتاب Handbook of Early Muhammadan Tradition (طبع لیدن ۱۹۲۷ء) ہے۔ یہ حدیث نبوی کی چودہ (۱۴) بنیادی کتابوں میں موضوعات حدیث کا اشاریہ ہے۔ حدیث پر ان کی دوسری اہم کتاب 'المعجم المفہرس لالفاظ الحدیث النبوی ہے، جس کا اس مقالے میں تعارف کرایا جا رہا ہے۔

معجم کی تالیف کا ابتدائی تصور

پروفیسر ونسنک کے ذہن میں معجم کی تالیف کا خیال ۱۹۱۶ء سے قبل آیا تھا۔ اس

سلسلے میں انھیں مستشرق ہرخرونجہ Hurgronje سے رہ نمائی ملی تھی۔ البتہ انھوں نے اس پروجیکٹ پر باقاعدہ کام ۱۹۲۲ء سے شروع کیا ہے۔

۱۹۲۷ء میں ونسنگ نے اپنی کتاب Handbook of Early Muhammadan Tradition شائع کی۔ اس کتاب میں متون حدیث پیش کرنے کے بجائے صرف موضوعات کا تذکرہ Alphabet کی ترتیب سے کیا گیا تھا اور ان مقامات کے حوالے دیے گئے تھے جہاں کتب حدیث میں ان پر مواد مل سکتا تھا۔ اس کی تالیف کے لیے جو مواد اکٹھا کیا گیا وہی بعد میں معجم کی تالیف میں کام آیا۔ لیکن دونوں میں بنیادی فرق یہ ہے کہ ہینڈ بُک کے برخلاف معجم کے بارے میں یہ منصوبہ بنایا گیا کہ اس کی زبان عربی ہوگی اور اس میں بنیادی کلمات کو ان کے سیاق کے ساتھ ذکر کیا جائے گا۔

معجم کی تالیف کا مقصد ونسنک اور ان کے معاونین کے نزدیک یہ نہیں تھا کہ اسے لغوی مطالعات کے لیے ایک مرجع کی حیثیت دے دی جائے، بلکہ اسے ایک ایسا ماخذ بنانا ان کے پیشِ نظر تھا جس کے ذریعہ اہلِ علم کو احادیثِ نبوی کی اہم کتابوں میں مطلوبہ احادیث تلاش کرنے میں آسانی ہو۔

اندازِ تالیف

ونسنک اور ان کے معاونین نے معجم کی تالیف کا خاکہ اس طرح بنایا کہ وہ الفاظ جن کا کتب حدیث میں بہت زیادہ استعمال ہوا ہے اور ان سے کوئی خاص فائدہ حاصل نہیں ہوتا انھیں حذف کر دیا جائے۔ اور وہ الفاظ جن کا کثرت سے استعمال ہوا ہے اور وہ مفید مطلب بھی ہیں، انھیں بغیر سیاق سے ذکر کر دیا جائے۔ اس سے علمی اور اقتصادی دونوں اعتبار سے فائدہ ہوگا۔ اس لیے کہ اگر کوئی ایک لفظ یا جملہ بھی ساقط نہیں کیا جائے گا تو کتاب کا حجم بہت زیادہ بڑھ جائے گا، اس کی وجہ سے اس سے استفادہ میں بہت دشواری ہوگی اور طباعت کے اخراجات بھی بہت بڑھ جائیں گے۔ چنانچہ اسی نہج پر وہ کام کرنے لگے۔

ونسنک کے اس کام کو تنقید کا نشانہ بنایا گیا۔ بعض لوگوں نے یہ رائے دی کہ وہ جن کتب حدیث کا اشاریہ تیار کرنا چاہتے ہیں، پہلے ان کی کے محقق ایڈیشن شائع کریں۔ اس کے جواب میں ونسنک کا کہنا تھا کہ اس قسم کے کام کے لیے ان کی عمر ناکافی ہے۔ انھوں نے نصوص کو اسی طرح نقل کیا جس طرح وہ دست یاب کتابوں میں درج تھے۔ گویا انھیں یہ بات تسلیم تھی کہ جن نصوص کی تحقیق علمی طور پر نہیں ہوسکی ہے ان میں غلطیوں کا در آنا ممکن ہے۔ چنانچہ ونسنک اور ان کے بعد کام کرنے والوں نے بھی اسی انداز پر کتب حدیث کی دست یاب غیر محقّق طباعتوں (Editions) پر بھروسہ کرتے ہوئے اپنا کام جاری رکھا۔

بعد میں مصری محقق و دانش ور محمد فواد عبد الباقی نے صحیح مسلم، سنن ابن ماجہ اور مؤطا امام مالک کے محقق ایڈیشن شائع کیے تو انھوں نے احادیث پر نمبر ڈالنے میں ان نمبروں کی رعایت کی جو ونسنک نے اپنی معجم میں درج کیے تھے۔

اشاعت کا آغاز

ڈاکٹر جے۔ جے وٹکام (J.J.Witkam) نے لکھا ہے:

''۱۹۳۶ء **المعجم المفهرس** کی تالیف کی تاریخ کا سب سے اہم مرحلہ تھا۔ اس مرحلہ میں کتبِ حدیث کا دقّت و باریکی سے مطالعہ کرکے نصوص (الفاظ مع سیاق) کے کارڈس تیار کر لیے گئے۔ اس طرح بنیادی کام پایۂ تکمیل کو پہنچ گیا۔ اس کے بعد اس خام مواد کی روشنی میں اصل کتاب کی تالیف کا باقاعدہ آغاز کیا گیا۔''

لیکن یہ بات صحیح نہیں معلوم ہوتی، بلکہ شواہد ایسے ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ مرتب شکل میں تالیف کا آغاز چوتھی دہائی کے اوائل ہی سے ہوگیا تھا۔ معجم کی طباعت واشاعت کا کام پہلے اجزاء کی شکل میں کیا گیا۔ ہر جزء اسّی (۸۰) صفحات پر مشتمل ہوتا تھا۔ (اسے فصل Lirvaison کا نام دیا گیا)۔ سات (۷) فصول کی اشاعت کے بعد انھیں ایک جلد کی شکل دے دی جاتی تھی۔ ادارۂ تحقیق و تصنیف اسلامی علی گڑھ کی

لائبریری میں معجم کا جو قدیم نسخہ ہے، خوش قسمتی سے اس کی جلد اول میں فصل سوم کا سرورق موجود ہے۔ اس پر سنۂ اشاعت ۱۹۳۴ء درج ہے۔ اس سے واضح ہوتا ہے کہ فصل اول کی اشاعت اس سے بھی پہلے ہو چکی ہے۔

جلد اول (ا۔ح)

سات (۷) فصول پر مشتمل جلد اول ۱۹۳۶ء میں پروفیسر ونسنگ کی نگرانی میں شائع ہوئی۔ اس کے سرورق پر مرتبین کا تذکرہ یوں کیا گیا ہے:

"رتّبه و نظّمه لفیف من المستشرقین، و نشره الدکتور أ۔ی۔
ونسنک أستاذ العربیة بجامعة لیدن۔"

مقدمہ میں ونسنک نے ذکر کیا تھا کہ وہ کتاب کی آخری جلد میں اس پروجیکٹ کی تفصیلات بیان کریں گے اور اس کے آغاز و ارتقاء کے مراحل پر روشنی ڈالیں گے۔ لیکن یہ ان کے لیے مقدر نہ تھا، کیوں کہ ۱۹۳۹ء میں ان کا انتقال ہو گیا۔

جلد دوم (خب۔سز)

اپنی حیات میں پروفیسر ونسنک جلد دوم کی صرف چار (۴) فصلیں (۸، ۹، ۱۰، ۱۱) شائع کر سکے تھے۔ ادارۂ تحقیق وتصنیف اسلامی کی لائبریری میں فصل ۸ اور فصل ۱۰ کے سرورق محفوظ ہیں۔ فصل ۸ (خب۔خمر، ص ۱۔ ۸۰) پر سنۂ اشاعت ۱۹۳۷ء اور فصل ۱۰ (دوم۔رحم، ص ۱۶۱، ۲۴۰) پر ۱۹۳۸ء درج ہے۔ ونسنک کی وفات کے بعد معجم کی تحریر و تسوید کے کام کی نگرانی ڈاکٹر جے۔ پی منسنگ (J.P.Mensing) کے سر آ گئی۔ موصوف سنوک اور ونسنک کے شاگرد ہیں۔ 'فقہ حنبلی میں حدود' (طبع لیدن ۱۹۳۶ء) کے موضوع پر انھوں نے پی ایچ ڈی کی ڈگری حاصل کی تھی۔ پھر ۱۹۳۸ء میں لیدن یونی ورسٹی میں جدید عربی کے استاد مقرر ہوئے۔ ۱۹۴۰ء میں اس پروجکٹ کو اپنے ہاتھ میں لینے کے بعد تین برس کے عرصے میں انھوں نے جلد دوم کی مزید تین فصول (۱۲، ۱۳، ۱۴) شائع کیں۔ اس کے بعد ۱۹۴۳ء میں وہ دوسری جلد مکمل کر کے شائع

کرنے میں کام یاب ہو گئے۔ اس طرح جلد دوم کی اشاعت دو (۲) محققین کی کاوشوں کی مرہونِ منت ہے۔ اس کی ابتدائی چار فصلوں (ن' تک) ونسنک کی تیار کردہ تھیں، جب کہ آخری تین فصلیں منسنگ نے تیار کی تھیں۔ اسی لیے اس جلد کے ٹائٹل پر دونوں کا نام یوں درج ہے: "رتّبه و نظّمه لفيف من المستشرقين، و نشره الدكتور أ۔ ی۔ ونسک أستاذ العربية بجامعة ليدن والدكتور ی۔ب۔منسج محاضر العربيةبجامعه ليدن۔"

اس جلد پر ڈاکٹر منسنگ کے دو (۲) پیش لفظ ہیں: ایک پر نومبر ۱۹۴۱ء اور دوسرے پر جولائی ۱۹۴۳ء کی تاریخ درج ہے۔ اس میں انھوں نے اپنے پیش رو پروفیسر ونسنک کی طرح وعدہ کیا کہ وہ الگ سے ایک مضمون لکھیں گے، جس میں اس پروجیکٹ کی تفصیلات بیان کریں گے اور یہ بھی ذکر کریں گے کہ معجم کی تالیف کا خیال (پروفیسر ونسنک کے) ذہن میں کیسے آیا؟ اور یہ پروجیکٹ کن مراحل سے گزرا؟ لیکن انھیں بھی اس کی توفیق نہ مل سکی۔ ۱۹۵۱ء میں ایک مرض میں مبتلا ہو کر وہ اس دار فانی سے کوچ کر گئے۔ اس وقت وہ اقوام متحدہ کی جانب سے ایک مہم پر لیبیا میں تھے۔

جلد سوم (سنم ۔ طعم)

ڈاکٹر منسنگ نے لیبیا جانے سے قبل اس پروجکٹ پر کام جاری رکھنے کی ذمہ داری ہالینڈ کے دو نوجوانوں: ہاس (W.D.De Haas) اور وان لون (J.B.Vanloon) کو سونپ دی تھی۔ ان دونوں نے ۱۹۵۴ء تک کام جاری رکھا۔ لیکن جلد دوم کی اشاعت پر دس برس کا عرصہ گزر جانے کے باوجود جلد سوم مکمل شائع نہ ہو سکی، البتہ اس کی فصول شائع ہوتی رہیں۔ ادارۂ تحقیق و تصنیف اسلامی کی لائبریری میں فصل ۱۸ اور فصل ۲۰ کے سرورق محفوظ ہیں۔ ان کے مطابق فصل ۱۸ کی اشاعت ۱۹۵۲ء اور فصل ۲۰ کی ۱۹۵۴ء میں ہوئی۔ فصل ۱۸ کے ٹائٹل کور پر چار (۴) مرتبین کے نام درج ہیں: جے پی منسج (J.P.Mensing)، ڈبلو پی دی ہاس (W.P. De Haas)، جے بی وان لون (J.B.

(Van Loon)اور سی ادریانسی (C.Adriaanse)، جب کہ فصل ۲۰ کے سرورق پر منسنگ کا نام نہیں ہے، بقیہ تینوں نام ہیں۔

فصل ۲۱ کی اشاعت کے بعد تیسری جلد مکمل ۱۹۵۵ء میں شائع ہوئی۔ ڈاکٹر وڑکام نے لکھا ہے: ''اس جلد کو شائع کرنے کا سہرا J.T.P.Bruyin اور H.C.Ruyter کے سر جاتا ہے۔''

اس جلد کی اشاعت میں ڈاکٹر سی۔سی برگ (C.C.Berg) کی دل چسپی اور معاونت کو بڑا دخل تھا۔ موصوف لیدن یونی ورسٹی میں جاوی زبان کے استاد اور رائل اکیڈمی امستردام (Royal Academy Amsterdam) کے چیرمین تھے۔ ان کی وجہ سے معجم کے طباعتی مصارف کے لیے ہالینڈ اور دیگر ممالک کی بعض تنظیموں اور اداروں کی جانب سے مالی تعاون ملا۔ ڈاکٹر برگ ہی کی بدولت یہ پروجکٹ دشوار گزار مرحلہ طے کر سکا۔

اپنے پیش لفظ میں ڈاکٹر برگ نے اس جلد کی ترتیب و اشاعت کے مراحل پر روشنی ڈالی ہے اور معاونین کا شکریہ ادا کیا ہے۔

جلد چہارم (طعن۔غمر)

جلد چہارم کی تیاری اور اشاعت کا کام ڈاکٹر ہاس، ڈاکٹر لون اور ڈاکٹر بروین نے انجام دیا۔ یہ جلد بھی سات فصول (۲۲۔۲۸) پر مشتمل ہے۔ ادارۂ تحقیق و تصنیف اسلامی کی لائبریری میں اس کی آخری فصل ۲۸ کا سرورق محفوظ ہے۔ اس پر انھی تینوں محققین کے نام درج ہیں اور مکمل جلد کی اشاعت کے وقت اس کے ٹائٹل پر بھی انھی حضرات کا نام ہے۔ لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ آخری مرحلے میں یہ پروجکٹ ڈاکٹر جے۔ بی۔ بروخمان (J.B.Brugman) کی زیر نگرانی آ گیا تھا۔ کیوں کہ اس پر انھی کا پیش لفظ (تاریخ نومبر ۱۹۶۲ء) موجود ہے۔ موصوف ۱۹۶۱ء میں لیدن یونی ورسٹی میں عربی زبان کے پروفیسر مقرر ہوئے۔ انھوں نے اس پروجکٹ میں کام کرنے والے طلبہ اور اساتذہ کی ایک ٹیم تیار کر لی اور ان کے تعاون سے اس کو پایۂ تکمیل تک پہنچایا۔

جلد پنجم تا جلد ہفتم

بقیہ جلدیں (پنجم، ششم، ہفتم) مکمل ڈاکٹر بروخمان کی زیرنگرانی شائع ہوئیں۔ جلد پنجم ۱۹۶۵ء میں، جلد ششم ۱۹۶۷ء میں اور جلد ہفتم ۱۹۶۹ء میں منظر عام پر آئی۔ جلد پنجم اور جلد ششم میں کوئی پیش لفظ نہیں ہے، البتہ جلد ہفتم میں ڈاکٹر بروخمان کے قلم سے نصف صفحہ کا مختصر پیش لفظ موجود ہے۔

مجلس مشاورت

معجم کی ابتدائی دو(۲) جلدوں میں اراکین مجلس مشاورت کے نام شائع ہوئے تھے۔ جلد اول میں درج ذیل نام ہیں:

1. M.M.Anesaki	(Tokio)
2. BajrakTarevis	(Beograd)
3. M.Foud Abdel Baky	(Cairo)
4. Jorga	(Bucarest)
5. Kratchkovsky	(Leningrad)
6. Lopez	(Lisbonne)
7. Marcais	(Paris)
8. Moberg	(Lund)
9. Nallino	(Rome)
10. Nicholson	(Cambridge)
11. Pedersen	(Copenhague)
12. Kuzicka	(Prague)
13. Schencke	(Oslo)
14. Tallquist	(Helsingfors)
15. Torrey	(New Haven)

جلد دوم کی فہرست میں ایک نام Nallino (Rome) (نمبر شمار ۹) نکال دیا گیا۔ جلد دوم کی فصل ۲۰ میں بھی چودہ (۱۴) نام ہیں۔ بقیہ جلدوں میں اس پوری

فہرست کو حذف کر دیا گیا ہے۔ البتہ جلد چہارم کی آخری فصل ۲۸ کے سرورق کے اندرونی صفحہ پر مجلس مشاورت کے Director of Bureau کی حیثیت سے J.Brugman کا نام درج ہے۔

علمی معاونین

اس پروجکٹ میں مشہور مصری محقق اور دانش ور محمد فؤاد عبدالباقی کا علمی تعاون بہت اہم اور غیر معمولی ہے۔ موصوف متعدد کتابوں کے مصنف ہیں۔ المعجم المفہرس لالفاظ القرآن الکریم کے نام سے قرآن کا انڈکس ان کا قابل قدر اور لائق ستائش کارنامہ ہے۔ انھوں نے ونسنک کی کتاب A Hand book of early Muhammadan Tradition کا 'مفتاح کنوز السنۃ' کے نام سے عربی میں ترجمہ کیا ہے۔ (طبع قاہرہ، ۱۹۳۴ء) زیر تعارف معجم کے سلسلے میں انھوں نے متعدد پہلوؤں سے تعاون کیا ہے۔ ان کا ایک تعاون یہ ہے کہ انھوں نے حدیث نبوی کی متعدد بنیادی کتابوں، مثلاً صحیح مسلم، سنن ابن ماجہ اور مؤطا مالک کے محقق ایڈیشن شائع کیے اور ان میں احادیث کے نمبر ڈالنے میں ان نمبروں کی رعایت کی جو ونسنک نے اپنی معجم میں درج کیے تھے۔ ان کا دوسرا تعاون یہ ہے کہ انھوں نے اس معجم اور ونسنک کی دوسری کتاب 'مفتاح کنوز السنۃ' سے صحیح طریقے سے فائدہ اٹھانے کے لیے ایک کتاب تصنیف کی، جس کا نام ہے: '**تیسیر المنفعۃ بکتابی مفتاح کنوز السنۃ والمعجم المفہرس لالفاظ الحدیث النبوی**' (طبع قاہرہ ۱۹۳۵ء۔ ۱۹۳۹ء) ونسنک کی ان دونوں کتابوں میں چوں کہ مصادر حدیث کے غیر محقق اور غیر مرقّم نسخوں پر انحصار کیا گیا ہے، اس لیے ابواب و احادیث کے حوالوں میں کہیں کہیں ایک دو نمبروں میں فرق ہو جاتا ہے۔ فؤاد عبدالباقی نے تفصیلی جدول تیار کیے، تاکہ ان کتابوں کے حوالوں تک بآسانی رسائی ہو سکے۔

اس کے علاوہ خود اس معجم کی تیاری کے دوران بھی انھوں نے تعاون کیا ہے اور مرتبین کو وقتاً فوقتاً اپنے مشوروں سے نوازا ہے۔ ان کا نام مجلس مشاورت میں شامل تھا اور جلد

سوم اور جلد چہارم (اسی طرح فصل ۱۸، ۲۰، ۲۸) کے سرورق پر ان جلدوں میں ان کی مشارکت کی صراحت موجود ہے۔ڈاکٹر وڑکام نے ان کے تعاون کا ان الفاظ میں اعتراف کیا ہے:

"انھوں نے معجم کے مرتبین کا ہمیشہ تعاون کیا اور سنت نبوی کے بارے میں اپنی وسیع معلومات سے انھیں مستفید کیا۔ انھوں نے متعدد مواقع پر اور خاص طور سے پروجکٹ کے نصف اول میں ترتیب وتدوین کے اہم اور بنیادی مسائل میں مرتبین کو انتہائی قیمتی مشوروں سے نوازا۔"

دوسرے اہم معاون ڈاکٹر جون بول (G.H.A Juynboll) ہیں۔ انھوں نے اس پروجکٹ میں ۱۹۶۱ء سے پروفیسر بروخمان کے ساتھ کام کرنا شروع کیا، جب کہ اس وقت وہ شعبۂ اسلامیات میں طالب علم تھے۔ اس کام میں ان کی دل چسپی اور انہماک اس حد تک بڑھا کہ آئندہ زندگی میں انھوں نے حدیث نبوی کو اپنی علمی تحقیقات کا خاص موضوع بنالیا۔

ڈاکٹر وڑکام نے لکھا ہے:

"فصول کی اشاعت کے وقت ان کے سرورق کے اندرونی صفحہ پر علمی معاونین کے نام لکھے جاتے ہیں، مگر افسوس ہے کہ مکمل جلد کی تجلید (جلد سازی) کے وقت وہ اوراق ضائع ہوگئے۔"

مقام شکر ہے کہ ادارۂ تحقیق وتصنیف اسلامی میں موجود معجم کی جلدوں میں ایسے چار سرورق محفوظ ہیں جن میں معاونین کے نام درج ہیں۔ فصل ۳ کے سرورق پر ۳۷، فصل ۸ کے ٹائٹل پر ۳۹، فصل ۲۰ کے سرورق پر ۴۳ اور فصل ۲۸ کے سرورق پر ۴۵ معاونین کے نام ہیں۔

مکمل جلدوں کی اشاعت کے وقت، جلد اول کے آخر میں ۳۸ اور جلد دوم کے آخر میں ۴۲ معاونین کی فہرست دی گئی ہے۔ جلد پنجم میں یہ تعداد ۵۱ تک پہنچ گئی ہے۔ جلد ۳، ۴، ۶ اور ۷ میں فہرست معاونین موجود نہیں ہے۔

ڈاکٹر وڑکام نے لکھا ہے کہ پروفیسر ونسنک نے ۱۹۲۲ء میں اس پروجکٹ کی ایک رپورٹ تیار کی تھی، جس میں معاونین کی ایک فہرست دی تھی، لیکن معلوم ہوتا ہے کہ

اس سے ان کی مراد پروجکٹ میں صرف علمی تعاون کرنے والے نہ تھے، بلکہ اس میں انہوں نے ان لوگوں کا بھی نام درج کردیا تھا جنہوں نے کسی بھی حیثیت سے اس میں تعاون کرنے کا وعدہ کیا تھا، یا اس پروجکٹ کے سلسلے میں اپنی تائیدی رائے پیش کی تھی۔‘‘

ڈاکٹر وڑکام نے اس پروجکٹ کے عملی معاونین کی ایک جامع فہرست تیار کی ہے۔اس میں ان کی تعداد چونسٹھ(۶۴) تک پہنچ گئی ہے۔(اس فہرست میں خود ڈاکٹر وڑکام اور ڈاکٹر راون (جنہوں نے فہارس کی جلد نمبر ۸ تیار کی ہے‘ کے نام بھی شامل ہیں) یہ فہرست درج ذیل ہے:

1.MUHAMMAD FU'AD ABD AL-BAQI	2. C.ADRIAANSE
3. C.VAN ARENDONK	4. R.BELL
5. C.C.BERG	6. E.J.VAN DEN BERG
7. W.B.JORKMAN	8. S.A.BONEBAKKER
9. G.BOS	10. J.BRUGMAN
11. J.T.P.DE BRUYN	12. J.ROBERTSON BUCHANAN
13. V.F.BUCHNER	14. A.A.CENSE
15. R.F.CHISOLM	16. A.A.FOKKER
17. H.FUCHS	18. J.FUCK
19. E.GOBEE	20. A.GUILLAUME
21. W.P.DE HAAS	22. W.HEFFENING
23. W.HENNING	24. M.HIDAYAT HOSAIN
25. T.P.HOFSTEE	26. J.HOROVITZ
27. A.J.W. HUISMAN	28. T.HUITEMA
29. MME.J.JANSE	30. B.JOEL
31. G.H.A.JUYNBOLL	32. W.KERN
33. A.KERSTEN	34. H.KINDERMANN
35. I.KRATCHKOVSKY	36. F.KRENKOW

37. L.B.KRETZSCHMAR	38. MME.R.KRUK
39. J.B.VAN LOON	40. A.MANSUR
41. J.P.M.MENSING	42. E.VAN MOURIKBROEKMAN
43. R.PARET	44. J.PEDERSEN
45. W.RAVEN	46. A.RICHTER
47. MME M.TH. ROMIJN	48.H.C.RUYTER
49. A.SARLOUIS	50. A.SCHAADE
51. D.W. SCHAAFSMA	52.A. SIDDIQI
53.P.SMOOR	54. J.L.SWELLENGREBEL
55. F.TAOUTEL	56. MOHAMED TAHTAH
57. A.S.TRITTON	58. MME.V.VACCA-DE BOSIS
59. P.VOORHOEVE	60. M.WEISWEILER
61.A.J.WENSINCK	62. W.D.VAN WIJNGAARDEN
63. H.A.WINKLER	64. J.J.WITKAM

مالی تعاون

ڈاکٹر وٹکام نے لکھا ہے کہ ''اس پروجکٹ میں علمی تعاون کرنے والوں کے معاوضہ اور طباعت کے مصارف ہالینڈی تنظیم برائے فروغ تحقیق علمی NETHERLANDS ORGANISATION FOR THE DEVELOPMENT OF SCIENTIFIC RESEARCH نے برداشت کیے۔''

اس سلسلے میں ابتدائی دو(٢) جلدوں میں کوئی صراحت نہیں ملتی، لیکن جلد ٣ سے جلد ٧ تک ہر جلد کے سرورق پر یہ عبارت درج ہے:

''والمساعدات المالية هى من المجامع العلمية البريطانية والدنيمركية والسويدية والهولندية والانيسكووالمجلس الأممى للفلسفة والآداب والهيئة الهولندية للبحث العلمى

البحث و الاتحاد الأممی للمجامع العلمیۃ۔"

معجم کی کمپوزنگ اور طباعت کا کام دو اداروں کے تعاون سے انجام پایا۔ جلد چہارم کے صفحہ نمبر ۳۲۰ تک (یعنی معجم کا تقریباً نصف حصہ) لیدن کے مطبع بریل (E.J.BRILL) میں کمپوز اور طبع کیا گیا۔ بقول ڈاکٹر وڑکام "اس مطبع میں کام کرنے والوں کو عربی زبان سے زیادہ واقفیت نہیں تھی، اس لیے انھیں بڑی دشواری کا سامنا کرنا پڑا۔" چوتھی جلد کے بقیہ حصہ اور دیگر جلدوں کی کمپوزنگ اور طباعت کا شرف ہندوستان کو حاصل ہوا۔ یہ کام الدار القیمۃ بھیونڈی میں ہوا۔ اس کے مالک شیخ عبدالصمد شرف الدین (م ۱۹۹۶ء/ ۱۴۱۶ھ) نے اس میں غیر معمولی دل چسپی لی اور بڑے اہتمام سے اسے طبع کرایا۔ ڈاکٹر وڑکام نے لکھا ہے:

> "آخری چار جلدوں کی کمپوزنگ اور طباعت کا کام ناشرین نے الدار القیمۃ بھیونڈی (ہندوستان) سے کروایا۔ وہاں کے لوگ اور خاص کر اس ادارہ کے ڈائرکٹر عالم و متقی جناب عبدالصمد شرف الدین اپنے علمی سرمایہ سے گہری واقفیت رکھتے تھے۔ انہوں نے بڑی باریکی اور دل چسپی سے یہ کام انجام دیا اور بہت سے اضافات اور تصحیحات کیں۔ ان کی وجہ سے یقیناً معجم کی اشاعت بہتر ڈھنگ سے ہوسکی۔"

اس سلسلے میں جلد ۵ اور جلد ۶ کے آخر میں یہ صراحت ملتی ہے:

"Arabic Text has Printed by Ad-Darul-Qayiimah, Bhiwandi-India"

آخری جلد (فہارس)

جلد ہفتم کی اشاعت کے ساتھ یہ پروجکٹ مکمل ہوگیا تھا۔ اس کے آغاز ہی سے اس کے تحت اعلام واماکن کے اشاریوں سے زیادہ دل چسپی کا اظہار نہیں کیا گیا تھا۔ ونسنک اور ان کے معاونین کے پیش نظر صرف معجم کی تیاری تھی۔ ونسنک نے اپنے ایک مقالے

(شائع شدہ ۱۹۲۲ء) میں اشارہ کیا تھا کہ انہوں نے 'فہارس' کی تیاری اور اشاعت کو کسی آئندہ مرحلے کے لیے مؤخر کردیا ہے۔ اسی لیے پروفیسر برخمان نے فہارس کے بغیر اس پروجکٹ کو ختم کرنے کا ارادہ کرلیا۔ چنانچہ انہوں نے ۱۹۶۹ء میں جلد ہفتم کی اشاعت کے فوراً بعد اس کا دفتر بند کردیا اور معاونین ومرتبین سے کیے گئے معاہدوں کو منسوخ کردیا۔

بعد میں ڈاکٹر جے۔جے۔ وٹکام (J.J.Witkam) نے معجم کے ساتھ فہارس کی اہمیت محسوس کی اوران پر مشتمل مزید ایک جلد شائع کرنے کا ارادہ کیا۔ اس کے لیے انہوں نے ۱۹۷۲ء میں معجم کی ترتیب میں کام آنے والے پرانے کارڈس (جن پر دھول جم گئی تھی اور وہ فراموش کردیے گئے تھے) کا جائزہ لیا۔ انہوں نے دیکھا کہ پیش نظر مقصد کے لیے یہ مواد کافی نہیں ہے۔ اس لیے انہوں نے فہارس کی تیاری کے لیے ازسرنو کام کا آغاز کیا۔ ۱۹۷۴ء میں وہ لیدن یونی ورسٹی کی لائبریری میں مشرقی مخطوطات کے شعبہ کے انچارج بنادیے گئے۔ اس وقت تک وہ صحاح ستہ اور سنن الدارمی کا بالاستیعاب مطالعہ کرکے اعلام، جغرافیائی اسماء اور قرآنی شواہد کی فہارس تیار کرچکے تھے۔

اشاریہ سازی کا بقیہ کام ڈاکٹر وم راون (Wim Raven) نے سنبھالا۔ امستردام یونی ورسٹی (University of Amsterdam) میں منصب تدریس پر فائز ہونے کے بعد بھی وہ اسے انجام دیتے رہے۔ انہوں نے موطا مالک اور مسند احمد سے فہرستیں تیار کیں۔ اس کام سے فارغ ہونے کے بعد انہوں نے اپنے اور ڈاکٹر وٹکام دونوں کے کام پر نظر ثانی کی اور تمام فہرستوں کو حروف تہجی کی ترتیب سے تیار کیا۔

اس آخری جلد (فہارس) کی اشاعت ہالینڈ کی تنظیم برائے فروغ علمی تحقیق اور Royal Academy Amsterdam کے فیاضانہ مالی تعاون کی بدولت ممکن ہوسکی ہے۔ پرنٹنگ ٹکنالوجی میں انقلاب آجانے کی وجہ سے اس کی کمپوزنگ اور طباعت مطبع دار بریل (E.J.BRILL) میں ہوئی، جہاں نصف صدی قبل اس کی جلد اول طبع ہوئی تھی۔

معجم میں مصادرِ حدیث کے اشارے

اس معجم میں حوالہ دینے کا طریقہ یہ اختیار کیا گیا کہ مصادر حدیث کے مختصر اشاراتی نام ذکر کرنے کے بعد کتاب کا مختصر نام پھر باب کا نمبر تحریر کیا گیا۔ سوائے صحیح مسلم، موطا مالک اور مسند احمد کے۔ صحیح مسلم اور موطا مالک کے ذیل میں (باب کا نمبر دینے کے بجائے) حدیث نمبر درج کیا گیا ہے، جب کہ مسند احمد کے حوالہ میں جلد نمبر اور صفحہ نمبر ذکر کیا گیا ہے۔ مثلاً

خ شرکۃ ۱۶	سے مراد صحیح بخاری، کتاب الشرکۃ، باب نمبر ۱۶ ہے۔
م فضائل الصحابۃ ۱۶۵	سے مراد صحیح مسلم، کتاب فضائل الصحابۃ، حدیث نمبر ۱۶۵ ہے۔
د طہارۃ ۲۷	سے مراد سنن ابی داؤد، کتاب الطہارۃ، باب نمبر ۲۷ ہے۔
ت ادب ۱۵	سے مراد جامع ترمذی، ابواب الادب، باب نمبر ۱۵ ہے۔
ن صیام ۷۸	سے مراد سنن النسائی، کتاب الصیام، باب نمبر ۷۸ ہے۔
جہ تجارات ۳۱	سے مراد سنن ابن ماجہ، کتاب التجارات، باب نمبر ۳۱ ہے۔
دی صلاۃ ۹۷	سے مراد سنن الدارمی، کتاب الصلاۃ، باب نمبر ۹۷ ہے۔
ط صفۃ النبی ۳	سے مراد موطا مالک، صفۃ النبی، حدیث نمبر ۳ ہے۔
حم ۴، ۱۷۵	سے مراد مسند احمد، جلد چہارم، صفحہ نمبر ۱۷۵ ہے۔

جن نمبروں پر ستارہ کی علامت '☆' بنائی گئی ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ اس نمبر کے باب، حدیث یا صفحہ پر وہ لفظ ایک سے زائد بار آیا ہے۔

معجم کی ترتیب کے دوران پیش نظر رہنے والے مصادر حدیث کے ایڈیشن

معجم کی ترتیب کے دوران مصادر حدیث کے درج ذیل ایڈیشن مرتبین کے پیش نظر رہے ہیں:

صحیح بخاری (۱) طبع قاہرہ، ۱۳۴۵ھ، ۹ جلدیں

(۲) تحقیق T.H.W. Juynboll/I.Krehl طبع لیدن ۱۸۶۲–۱۹۰۸ء، ۴ جلدیں

صحیح مسلم: تحقیق محمد فؤاد عبدالباقی، طبع قاہرہ، ۱۳۷۴ـ۱۳۷۵ھ/ ۱۹۵۵ـ۱۹۵۶ء، ۵ جلدیں

سنن ابی داؤد (۱) باہتمام محمد محی الدین عبد الحمید، طبع قاہرہ، بدون تاریخ (۱۹۳۵ء کے آس پاس) ۴ جلدیں۔

(۲) محمود محمد خطاب السبکی، المنہل العذب المورود شرح سنن ابی داؤد، طبع قاہرہ، ۱۳۵۱ـ ۱۳۵۳ھ، ۱۰ جلدیں۔

(۳) امین محمود خطاب، فتح الملک المعبود تکملۃ المنہل العذب المورود، طبع قاہرہ، ۱۳۷۵ـ ۱۳۷۹ھ/ ۱۹۵۵ـ۱۹۵۹ء، ۳ جلدیں۔

جامع ترمذی، شرح الامام ابن العربی المالکی، طبع قاہرہ، ۱۳۵۰ـ۱۳۵۲ھ/ ۱۹۳۱ـ ۱۹۳۴ء، ۱۳ جلدیں

سنن النسائی، شرح جلال الدین السیوطی، باہتمام شیخ حسن محمد المسعو دی، طبع قاہرہ، بدون تاریخ، ۸ جلدیں

سنن ابن ماجہ، تحقیق محمد فواد عبدالباقی، طبع قاہرہ، ۱۳۷۲ـ ۱۳۷۳ھ/ ۱۹۵۲ـ ۱۹۵۳ء، ۲ جلدیں

سنن الدارمی: (۱) طبع کان پور (ہندوستان) ۱۲۹۳ھ

(۲) مطبع دار احیاء السنۃ النبویۃ، طبع بیروت، بدون تاریخ، ۲ جلدیں

موطا مالک: تحقیق محمد فواد عبدالباقی، طبع قاہرہ، ۱۳۷۰ھ/۱۹۵۱ء، ۲ جلدیں

مسند احمد: (۱) طبع قاہرہ، ۱۳۱۳ھ/ ۱۸۹۵ء، ۶ جلدیں

(۲) تحقیق احمد محمد شاکر، طبع قاہرہ، ۱۳۶۸ـ ۱۳۷۵ھ/ ۱۹۴۹ـ۱۹۵۶ء، ۱۵ جلدیں نامکمل (اس ایڈیشن سے استفادہ کیا گیا ہے لیکن حوالہ صرف قدیم ایڈیشن کا دیا گیا ہے)

فہارس کے مشتملات

آٹھویں جلد، جو فہارس پر مشتمل ہے، بہت اہم ہے۔ اس میں بنیادی طور پر تین فہرستیں پیش کی گئی ہیں:

(۱) اعلام کے اسماء

(۲) جغرافیائی اسماء

(۳) قرآنی سورتوں اور آیات کے اسماء

اسماء اعلام کے مشتملات درج ذیل ہیں:

۱۔ سند کا آخری راوی (عموماً صحابی)

۲۔ وہ حضرات جن کے نام متون احادیث میں آئے ہیں۔

۳۔ قوموں، قبیلوں اور ان کی شاخوں، قبائلی اور مذہبی گروہوں کے نام

۴۔ ملائکہ، جن، شیاطین، بتوں، حیوانات، اور تلواروں کے نام۔ اسی طرح ہر وہ چیز جس کا کوئی مخصوص نام ہو۔

۵۔ اشخاص یا گروہوں کی جانب منسوب صفات۔

اعلام کے سلسلے میں دو باتوں کا تذکرہ ضروری ہے:

(الف): اعلام کی فہرست تیار کرنے میں ایک دشواری یہ تھی کہ حدیث کی مختلف کتابوں میں ایک ہی شخص کا تذکرہ مختلف ناموں کے ساتھ مختلف مقامات پر آیا ہے۔ اس اختلاف کو باقی رکھتے ہوئے اشاریہ سازی مفید نہیں تھی۔ اس لیے مرتبین نے طے کیا کہ ایک شخص کے مختلف ناموں کی تحقیق کرکے انھیں صرف ایک جگہ ذکر کیا جائے اور دیگر ناموں کی جگہ اسی کا حوالہ دے دیا جائے۔ مثلاً:

– محمد بن مسلم بن شہاب الزہری

– ابن شہاب (ملاحظہ کیجیے محمد بن مسلم بن شہاب الزہری)

– زہری (ملاحظہ کیجیے محمد بن مسلم بن شہاب الزہری)

اعلام کا اشاریہ کس طرح تیار کیا گیا ہے؟ اس سلسلے میں دیگر ضروری معلومات مرتبین نے شروع میں ذکر کر دی ہیں۔

(ب): اسانید میں مذکور اعلام کا اشاریہ نہیں تیار کیا گیا ہے، اس لیے کہ بقول مرتبین علم اسماء الرجال کا ایک بہت وسیع میدان ہے اور اسانید میں مذکور اسماء اور متون

حدیث میں مذکور اسماء کے درمیان خلط ملط کرنا مناسب نہیں ہے۔ احادیث کے تجزیاتی مطالعہ کے لیے اسانید میں مذکور اسماء کا مطالعہ نہایت ضروری ہے، لیکن یہ کام اس قسم کی سادہ فہرست میں ممکن نہیں ہے، اس لیے کہ اس میں روایتی طرز پر فہرستیں تیار کرنے کے بجائے الواح تیار کرنا ضروری ہے۔ امید ہے کہ آئندہ اسلامیات کے میدان میں کام کرنے والے حضرات یہ کام انجام دیں گے۔ اس میدان میں کمپیوٹر سے مدد لینا ضروری ہے۔

جغرافیائی اسماء میں درج ذیل چیزیں شامل ہیں:

۱۔ اماکن وبلدان

۲۔ پہاڑ، سمندر، دریا، چشمے

۳۔ اجرام سماوی

۴۔ غیر انسانی مظاہر، مثلاً زبانیں، لباس وغیرہ کی جانب منسوب صفات

فہرست اسماء وآیات قرآنی کو حروف تہجی کی ترتیب سے تیار کیا گیا ہے۔

فہرست شواہد قرآنی: یہ ان آیات قرآنی کا اشاریہ ہے جو متون احادیث میں بطور شواہد وارد ہوئی ہیں۔ اس فہرست کو مصحف کی ترتیب سے تیار کیا گیا ہے اور پوری آیت ذکر کرنے کے بجائے صرف اس کا نمبر درج کر دیا گیا ہے۔

قابلِ توجہ امور

مستشرقین اس کتاب کی صورت میں مذکورہ بالا برسوں کی علمی کاوش پر علمی ودینی حلقوں کی جانب سے بے حد شکریہ کے مستحق ہیں۔ اس سے حدیث کی تلاش وتحقیق میں غیر معمولی سہولت حاصل ہوتی ہے۔ لیکن اس سے استفادہ اور اس سے متعلق رائے قائم کرنے میں احتیاط سے کام لینے کی ضرورت ہے۔ کوئی بھی انسانی کام خامیوں سے بالکلیہ مبرا نہیں ہوسکتا اور خاص طور سے وہ کام جس کی انجام دہی میں مختلف مزاجوں اور صلاحیتوں کے افراد شریک رہے ہوں۔ شروع میں ذکر کیا گیا کہ کتاب کا حجم محدود رکھنے کے مقصد سے مرتبین نے بہت سے ایسے الفاظ کو، جو احادیث میں کثرت سے آئے ہیں، حذف

کردیا ہے۔ اس لیے اگر کسی حدیث کا کوئی لفظ اس کتاب میں نہ ملے تو قطعی طور سے یہ فیصلہ کرلینا مناسب نہ ہوگا کہ وہ حدیث مذکورہ نو(۹) کتبِ حدیث میں (جن کی اس کتاب میں اشاریہ سازی کی گئی ہے) موجود نہیں ہے۔ اسی طرح اگر کسی حدیث کا حوالہ اس کے کسی ایک لفظ کے تحت نہ ملے تو اس کے دوسرے الفاظ کے تحت اسے تلاش کرنے کی کوشش کرنی چاہیے۔

انفارمیشن ٹکنالوجی کی ترقی کے نتیجے میں احادیثِ نبوی کی تلاش و تحقیق کا کام الحمد للہ اب بہت آگے بڑھ گیا ہے۔ ۱۹۹۰ء کی دہائی میں علم حدیث کے ماہرین نے اس موضوع پر کام شروع کیا تھا کہ احادیث کا ایک جامع ڈاٹابیس (Data base) تیار کیا جائے، جس میں کتبِ حدیث میں موجود تمام احادیث کو شامل کرلیا جائے۔ ہر حدیث کے ساتھ اس کی فنّی حیثیت، اس سے متعلق تمام ایمۂ حدیث کی آراء، تمام راویوں سے متعلق معلومات اور ان کے متعلق فنِ رجال کے تمام ائمہ کی آراء بھی اکٹھی کردی جائیں۔ چنانچہ کئی سافٹ ویر وجود میں آچکے ہیں۔ ان میں دار التراث الاسلامی اردن کی موسوعۃ الحدیث، مکتبہ الفیۃ السنۃ النبویۃ، جامع الحدیث اور المکتبۃ الشاملۃ کا تیار کردہ سافٹ ویر قابل ذکر ہیں۔ اس کے نتیجے میں کمپیوٹر کی ایک کلک پر کوئی بھی حدیث آسانی سے تلاش کی جاسکتی ہے۔

[نوٹ: اس مقالہ کی تیاری میں المعجم المفہرس لالفاظ الحدیث النبوی، جلد ۸ (فہارس) دار الدعوۃ استانبول ۱۹۸۸ء و دار سحنون تونس ۱۹۸۸ء میں جے۔ جے۔ وِنْکام کے مضمون 'مشروع تألیف المعجم المفہرس لالفاظ الحدیث النبوی: عرض تاریخی'، وِم۔ راون کی تحریر 'ارشادات للقاری' اور ادارۂ تحقیق و تصنیف اسلامی علی گڑھ میں موجود المعجم المفہرس لالفاظ الحدیث النبوی کی قدیم جلدوں سے استفادہ کیا گیا ہے۔]

مالی تعزیر (جرمانہ) کا شرعی حکم

مولانا ولی اللہ مجید قاسمی

تعزیر کا اصل معنیٰ ہے روکنا اور واپس کر دینا (الردّ و المنع)۔ مدد اور تعظیم کے مفہوم میں بھی اس کا استعمال ہوتا ہے۔ اصطلاحی معنیٰ میں بعض سزاؤں کو 'تعزیر' کہا جاتا ہے، کیوں کہ اس کی وجہ سے لوگ جرم سے رک جاتے ہیں اور مجرم کو دوبارہ جرم کرنے کی ہمت نہیں ہوتی۔ ا؎

بعض لوگوں کا کہنا ہے کہ تعزیر کے اصل معنیٰ مدد اور تعظیم کے ہیں۔ ۲؎ اس حیثیت سے دیکھا جائے تو تعزیر اسلامی احکام و قوانین کی عظمت و ہیبت کو برقرار رکھنے کا ذریعہ ہے اور جن لوگوں کے حق میں شریعت کی طرف سے متعین کردہ سزائیں کارگر نہیں ہوتیں، ان کے لیے اس سے مدد حاصل کی جاتی ہے۔ مثلاً کسی شرابی کو اس کی مقررہ سزا اس جرم سے باز نہ رکھ سکے تو پھر قتل جیسی تعزیر کے ذریعہ اس کی زندگی ختم کر دی جاتی ہے۔

'تعزیر' سے ملتا جلتا ایک دوسرا لفظ 'تادیب' ہے، جسے عام طور پر ہم معنیٰ شمار کیا گیا ہے اور دونوں کا مفہوم ایک بیان کیا گیا ہے، البتہ بعض شافعی علماء نے دونوں میں فرق کیا ہے، یعنی حدود کے علاوہ کسی دوسرے جرم میں حکومت کی طرف سے دی گئی سزا 'تعزیر' اور استاذ، والدین اور شوہر کے ذریعہ کی گئی سرزنش 'تادیب' ہے۔ ۳؎

اصطلاحی طور پر ہر اس جرم کی سزا کو تعزیر کہا جاتا ہے جس کے بارے میں شریعت کی طرف سے کوئی سزا یا کفارہ مقرر نہ ہو۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ شریعت کی طرف سے بعض جرائم کی سزا متعین ہے، جسے 'حد' کہا جاتا ہے۔ اس میں کوئی کفارہ نہیں ہے، جیسے چوری اور بدکاری کی سزا۔ بعض ممنوعات میں کفارہ ہے، کوئی حد نہیں ہے، جیسے

رمضان کے مہینے میں روزہ کی حالت میں جماع کرلینا۔ بعض معاصی میں حد ہے نہ کفارہ، بلکہ تعزیر ہے، یعنی اس میں شریعت کی طرف سے کوئی متعین سزا نہیں ہے، بلکہ اسے حاکم یا صاحبِ اختیار کے حوالے کردیا گیا ہے کہ وہ مجرم کو کوئی مناسب سزا دے، جیسے مارنا، قید کرنا، ڈانٹ ڈپٹ وغیرہ۔

تعزیر کی مشروعیت کتاب وسنت اور اجماع وعقل سے ثابت ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَالّٰتِیْ تَخَافُوْنَ نُشُوْزَهُنَّ فَعِظُوْهُنَّ وَاهْجُرُوْهُنَّ فِیْ الْمَضَاجِعِ وَاضْرِبُوْهُنَّ فَإِنْ أَطَعْنَكُمْ فَلَا تَبْغُوْا عَلَیْ □ هِنَّ سَبِیْلًا إِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِیًّا كَبِیْرًا (النساء: ۳۴)

(اور تم کو جن عورتوں سے نافرمانی کا اندیشہ ہو ان کو سمجھاؤ، خواب گاہ میں ان سے بے تعلق برتو اور ان کو (ہلکے طریقے پر) مارو۔ اگر وہ تمہاری فرماں برداری کرنے لگیں تو پھر ان پر زیادتی کے لیے بہانے تلاش مت کرو۔ بے شک اللہ بڑی بلندی اور عظمت والا ہے۔)

اور حضرت ابو بردہؓ انصاری سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا:

لَا تَجْلِدُوْا فَوْقَ عَشَرَةِ أَسْوَاطٍ إِلَّا فِي حَدٍّ مِنْ حُدُوْدِ اللّٰهِ۔ [۴]

(اللہ کی طرف سے مقرر کردہ حد کے علاوہ کسی دوسرے جرم میں دس کوڑے سے زیادہ نہ مارو۔)

اور حضرت بہز بن حکیم کی سند سے منقول ہے:

إِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ حَبَسَ رَجُلًا فِي تُهْمَةٍ ثُمَّ خَلّٰى سَبِيْلَهُ۔ [۵]

(رسول اللہ ﷺ نے کسی الزام میں ایک آدمی کو قید میں رکھا، پھر چھوڑ دیا۔)

علامہ ابن ہمامؒ کہتے ہیں کہ تعزیر کے ثبوت پر تمام صحابۂ کرام کا اجماع ہے [۶]۔ اور ابن نجیم کا بیان ہے کہ پوری امت اس پر متفق ہے۔ [۷]

عقلی دلیل یہ ہے کہ اگر معصیت کے کاموں اور برے افعال پر ڈانٹ ڈپٹ

اور سرزنش نہ کی جائے تو رفتہ رفتہ وہ عادت بن جائے گی اور پھر بڑے جرائم کی طرف رغبت اور ہمت بڑھ جائے گی۔اس لیے ضروری ہے کہ پہلے مرحلے ہی پر بند لگادی جائے اوراس پر مناسب سزادی جائے۔ ۸؎ یہی تعزیر کا مقصد اوراس کی مشروعیت کی حکمت ہے۔اس کے ذریعہ کسی کی اہانت مقصود نہیں، بلکہ جرم سے باز رکھنا، معاشرے کو فساد سے پاک رکھنااور مجرم کی اصلاح وتہذیب اس کا حقیقی مقصد ہے۔۹؎

تعزیر کی قسمیں

تعزیر کی متعدد قسمیں ہیں، جیسے جسمانی، ذہنی اور مالی وغیرہ۔ پھر تعزیر مالی کی چار صورتیں ہیں: (۱) اتلاف (۲) تغییر (۳) حبس (۴) تملیک۔

۱۔ اِتلاف

اتلاف کا مفہوم یہ ہے کہ کسی جرم کی وجہ سے مجرم کے مال کو ضائع کردیا جائے۔عام طور پر فقہاء اس کے جواز کے قائل ہیں۔ چنانچہ فقہ حنفی میں اس بات کی صراحت ہے کہ کسی گھر میں مفسدانہ اور فاسقانہ کام انجام دیا جاتا ہو تو اسے گرادینا جائز ہے، بلکہ ایسے گھروں کو نذرِ آتش کردینا بھی درست ہے۔ چنانچہ حضرت عمرؓ سے منقول ہے کہ انہوں نے شراب فروشوں کے گھروں میں آگ لگادی تھی۔۱۰؎

اسی طرح سے مالکی علماء کے ہاں بھی بطور تعزیر پانی آمیز دودھ کو صدقہ کردینے اور خراب بناوٹ والے کپڑے کو جلادینے کی مثالیں ملتی ہیں۔ ۱۱؎

فقہائے حنابلہ کے یہاں اس مسئلے میں مختلف رائیں ملتی ہیں: بعض لوگوں کے یہاں بطور تعزیر کسی چیز کو تلف کرنا درست نہیں۔ ۱۲؎ اور بعض لوگوں کے نزدیک ایسا کرنا جائز ہے۔علامہ ابن تیمیہؒ اور ابن قیمؒ نے اسی کو ترجیح دی ہے۔ ۱۳؎

شافعیہ کے ہاں بطور سزا کسی کی ملکیت کو ضائع کرنا جائز نہیں ہے۔ان کی دلیل یہ ہے کہ سزا کے طور پر کسی چیز کو تلف کرنے کی اجازت پہلے تھی، لیکن پھر منسوخ ہوگئی۔اس لیے اس پر عمل درست نہیں ہے۔

جواز کے دلائل

۱۔منافقوں نے مسلمانوں کے خلاف سازش کرنے کے لیے ایک گھر بنایا اور اسے مسجد کا نام دیا، تاکہ وہاں ان کے اکٹھا ہونے سے کسی کو شبہ نہ ہو۔اللہ تعالیٰ نے سازش کے اس مرکز کو ڈھا دینے اور جلا دینے کا حکم دیا۔قرآن مجید میں اس واقعہ کو ان الفاظ میں بیان کیا گیا ہے:

وَالَّذِينَ اتَّخَذُوا مَسْجِدًا ضِرَارًا وَكُفْرًا وَتَفْرِيقًا بَيْنَ الْمُؤْمِنِينَ وَإِرْصَادًا لِّمَنْ حَارَبَ اللّٰهَ وَرَسُولَهُ مِن قَبْلُ وَلَيَحْلِفُنَّ إِنْ أَرَدْنَا إِلاَّ الْحُسْنَى وَاللّٰهُ يَشْهَدُ إِنَّهُمْ لَكَاذِبُونَ (التوبۃ:۱۰۷)

(اور جن لوگوں نے نقصان پہنچانے، کفر کی باتیں کرنے، مسلمانوں کے درمیان پھوٹ ڈالنے اور جو لوگ اس سے پہلے اللہ اور اس کے رسول سے جنگ کر چکے ہیں ان کے لیے پناہ گاہ فراہم کرنے کی غرض سے مسجد بنائی ہے اور (اب) وہ قسمیں کھائیں گے کہ بھلائی کے سوا ہماری کچھ اور نیت نہ تھی اور اللہ گواہی دیتا کہ وہ لوگ یقینا جھوٹے ہیں۔)

اللہ کے رسول ﷺ نے اس عمارت کو محض گرا دینے پر اکتفا نہیں فرمایا، بلکہ اسے جلا دینے کا حکم دیا اور اس کے ملبے کو دوسرے کاموں میں استعمال نہیں کیا، حالاں کہ اس کی لکڑیاں وغیرہ کام آ سکتی تھیں۔اس طرزِ عمل سے معلوم ہوتا ہے کہ بطور تعزیر کسی مال کو برباد کر دینا درست ہے۔[۱۴]

۲۔قرآن مجید میں ہے:

قَالَ فَاذْهَبْ فَإِنَّ لَكَ فِي الْحَيٰوةِ أَن تَقُولَ لَا مِسَاسَ وَإِنَّ لَكَ مَوْعِدًا لَّنْ تُخْلَفَهُ وَانظُرْ إِلَى إِلٰهِكَ الَّذِي ظَلْتَ عَلَيْهِ عَاكِفًا لَّنُحَرِّقَنَّهُ ثُمَّ لَنَنسِفَنَّهُ فِي الْيَمِّ نَسْفًا (طٰہٰ:۹۷)

(حضرت موسیٰ (علیہ السلام) نے سامری سے کہا: جاؤ، تمہارا زندگی بھر یہ حال رہے گا کہ تم کہو گے کہ کوئی مجھے ہاتھ نہ لگائے، اور تمہارے لیے ایک مقررہ وقت ہے، جو تم سے ٹلے گا نہیں، اور اپنے اس خدا یعنی

بچھڑے کے انجام کو دیکھو جس کی عبادت پر تم جمے ہوئے تھے۔ ہم اسے جلا دیں گے اور پھر اسے ریزہ ریزہ کر کے سمندر میں بکھیر دیں گے۔)

حضرت موسیٰ نے سامری کے بچھڑے کو محض توڑنے پر اکتفا نہیں فرمایا، بلکہ اسے جلا کر کے سمندر کے حوالے کر دیا، حالاں کہ اسے توڑ کر یا پگھلا کر سونے جیسی قیمتی دھات سے فائدہ اٹھایا جا سکتا تھا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مصلحت کا تقاضا ہو تو کسی مال کو ضائع کیا جا سکتا ہے۔ یہ اگرچہ ہم سے پہلے کی شریعت کا ایک واقعہ ہے، لیکن اسے بیان کرنے کے بعد اس پر کوئی نکیر نہیں کی گئی ہے، بلکہ انداز بیان سے اس عمل کی تائید جھلک رہی ہے، نیز منسوخ ہونے کی کوئی دلیل نہیں، بلکہ دوسری دلیلوں سے اس طرح کے عمل کی غیر منسوخی ثابت ہو رہی ہے، اس لیے یہ قابلِ استدلال ہے۔

۳۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

مَا قَطَعْتُم مِّن لِّينَةٍ أَوْ تَرَكْتُمُوهَا قَائِمَةً عَلَىٰ أُصُولِهَا فَبِإِذْنِ اللَّهِ وَلِيُخْزِيَ الْفَاسِقِينَ (الحشر:۵)

(تم نے کھجوروں کے درخت کاٹ دیے، یا اس کو اپنی جڑوں پر باقی رہنے دیا تو یہ اللہ ہی کے حکم سے تھا اور اس کا مقصد یہ تھا کہ وہ نافرمانی کرنے والوں کو رسوا کرے۔)

صحیح روایتوں سے ثابت ہے کہ نبی ﷺ نے یہود کے قبیلے بنونضیر کے محاصرے کے موقع پر ان کے باغات کو کاٹنے اور جلانے کا حکم دیا تھا۔ اسی موقع پر مذکورہ آیت نازل ہوئی تھی۔ ۱۵؎ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مصلحت کی وجہ سے کسی مال کو تلف کرنا جائز ہے۔ چنانچہ ابن العربیؒ اس آیت کے ذیل میں لکھتے ہیں:

اتلاف بعض المال لصلاح باقیه مصلحة جائزة شرعاً مقصودة عقلاً۔ ۱۶؎

(پورے مال کی حفاظت کے لیے اس کے کچھ حصے کو تلف کر دینا شریعت کی نظر میں ایک جائز مصلحت اور عقل کی رُو سے ایک صحیح مقصد ہے۔)

۴۔ حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

وَالَّذِی نَفسِي بِيدِهٖ لَقَد هَمَمتُ اَنْ آمُرَ بِحَطَبٍ فَيحطَب ثُمَّ آمُرَ بِالصَّلَاۃِ فَيوذَنَ لَهَا ،ثُمَّ آمُرَ رَجُلاً فَيَؤُمَّ النَّاسَ، ثُمَّ اُخَالِفَ الٰی رِجَالٍ فَاُحَرِّقَ عَلَيهِم بُيوتَهُم۔ ۱۷؎

(اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے۔ میں نے یہ ارادہ کرلیا تھا کہ لکڑی جمع کرنے کا حکم دوں، پھر نماز کے لیے اذان دلاؤں اور اس کے بعد کسی سے نماز پڑھانے کے لیے کہوں اور خود میں جا کر ان لوگوں کے گھروں میں آگ لگادوں جو نماز کے لیے مسجد کی جماعت میں شامل نہیں ہوتے۔)

اس حدیث کی شرح میں علامہ عینیؒ لکھتے ہیں: ”اس سے بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ کسی کے مال کو برباد کرکے سزا دینا جائز ہے، کیوں کہ آگ لگادینا ایک مالی سزا ہے۔“ ۱۸؎

۵۔ حضرت عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

اِذَا وَجَدتُم الرَّجُلَ قَد غَلَّ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ فَاَحرِقُوا مَتَاعَهٗ وَاضرِبُوهُ۔ ۱۹؎

(اگر تم کسی ایسے شخص کو پاؤ جس نے مالِ غنیمت میں خیانت کی ہو تو اس کے سامان میں آگ لگا دو اور اس کو زدوکوب کرو۔)

۶۔ حضرت عمرو بن شعیب کی سند سے منقول ہے:

اِنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ وَاَبَابَكرٍ وَعُمَرَ حَرَّقُوا مَتَاعَ المَالِ وَضَرَبُوهُ۔ ۲۰؎

(رسول اللہ ﷺ اور حضرت ابوبکرؓ وعمرؓ نے مالِ غنیمت میں خیانت کرنے والے کے مال کو آگ کے حوالے کردیا اور اس کی پٹائی کی۔)

پہلی حدیث سنداً ضعیف ہے، لیکن دوسری روایت درجۂ حسن سے کم تر نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ امام ابوداؤدؒ اور حافظ منذریؒ نے اسے نقل کرنے کے بعد خاموشی اختیار کی ہے اور اس پر کوئی کلام نہیں کیا ہے، جو ان دونوں کے نزدیک حسن ہونے کی علامت ہے۔ البتہ ایک دوسری صحیح حدیث اس کے برخلاف ہے، جس میں کہا گیا ہے کہ ایک شخص نے مالِ غنیمت میں خیانت کی، لیکن نبی ﷺ نے اس کے سامان کو جلانے کا حکم نہیں

دیا۔۲۱؎ اس کی توجیہ شارحینِ حدیث نے یہ کی ہے کہ چوں کہ دوسرے واقعہ میں خیانت کرنے والے کی وفات ہوچکی تھی اوراس کے وارثین اس کے مال کے مالک بن چکے تھے اور کسی شخص کی غلطی کی سزااس کے وارثوں کونہیں دی جاسکتی، اس لیےاس کے مال کونہیں جلایا گیا۔ ۲۲؎

مولانا انور شاہ کشمیریؒ مذکورہ حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں: ''اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ تعزیری طور پر مال کو جلانا جائز ہے۔ عام طور پر ہماری کتابوں میں لکھا ہے کہ مالی تعزیر درست نہیں، یہ حکم منسوخ ہے۔ لیکن میں نے حاوی قدسی نامی کتاب میں دیکھا ہے کہ امام ابو یوسفؒ کے نزدیک مالی تعزیر جائز ہے۔''۲۳؎

۶۔حضرت عمرؓ کے حکم پر حضرت سعد بن وقاصؓ کے محل میں آگ لگادی گئی تھی، کیوں کہ محل میں رہنے کی وجہ سے لوگوں کو ان سے ملاقات میں پریشانی ہورہی تھی۔ ۲۴؎ اسی طرح انھوں نے رویشد نامی ایک شراب فروش کے گھر میں آگ لگوادی تھی، جس کی وجہ سے سارا گھر جل کر راکھ ہوگیا تھا۔ ۲۵؎ حضرت علیؓ سے بھی اس طرح کا واقعہ منقول ہے۔ ۲۶؎ اور حضرت عمرؓ سے منقول ہے کہ اگر وہ کسی کو پانی ملا ہوا دودھ فروخت کرتے ہوئے دیکھتے تو اسے زمین پر گرادیتے تھے۔ ۲۷؎ یہ واقعات صحابۂ کرام کی موجودگی میں پیش آئے، لیکن کسی نے ان پر نکیر نہیں کی۔ گویا کہ ان کے درمیان اس کے جواز پر اجماع تھا۔

۷۔بعض جرائم کی وجہ سے شریعت نے جسم کے بعض اعضا یا پورے جسم کو تلف کرنے کا حکم دیا ہے، جیسے چوری کی وجہ سے ہاتھ کاٹنا، یا شادی شدہ زانی کو رجم کرنا۔ اسی طرح کچھ جرائم کی بنیاد پر مجرم کے مال کو برباد کردینا بھی جائز ہونا چاہیے۔

(۲) تغییر و تبدیلی

تغییر وتبدیلی کا مفہوم یہ ہے کہ ناجائز اور حرام چیز میں ایسی تبدیلی کردی جائے جس سے اس کی حرمت کی وجہ ختم ہوجائے۔ جیسے گانے بجانے کے آلات کے کل

پرزے الگ کردیے جائیں، یا تصویر دار کپڑے کو پھاڑ دیا جائے، پھر اس کے اجزاء سے فائدہ اٹھایا جائے۔ اس شکل کے جواز پر تمام علماء کا اتفاق ہے۔ ۲۸؎ حضرت زید بن خالد جہنی کہتے ہیں کہ ابوطلحہ انصاریؓ کا بیان ہے کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے:

لاَ تَدخُلُ المَلائِکَۃُ بَیتاً فِیہِ کَلبٌ وَ لاَ تَمَاثِیلُ۔

(فرشتے اس گھر میں داخل نہیں ہوتے جس میں کتا یا تصویر ہو۔)

یہ حدیث سن کر میں ام المومنین حضرت عائشہؓ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ ابوطلحہؓ اس طرح کی حدیث بیان کررہے ہیں۔ کیا آپ نے اس سلسلے میں نبی ﷺ سے کچھ سنا ہے؟ انہوں نے کہا: نہیں، البتہ میں تم سے آپؐ کا طرزِ عمل بیان کروں گی۔ ایک مرتبہ آپ کسی جنگ کے لیے تشریف لے گئے۔ میں نے دروازے پر ایک باتصویر پردہ لٹکا دیا۔ واپسی پر آپؐ نے اسے دیکھ کر ناگواری کا اظہار فرمایا اور اسے کھینچ کر پھاڑ دیا۔ بعض روایتوں میں ہے کہ اس کپڑے سے ایک یا دو تکیہ بنا لیا گیا۔ ۲۹؎

ایک حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

أَتَانِي جِبرِیلُ علیه السلام فَقَالَ لِي:...فَمُرْ بِرَأسِ التِمثَالِ الَّذِي فِي البَیتِ یُقْطَعُ فَیَصِیرُ کَھَیئَةِ الشَّجَرَةِ، وَمُرْ بِالسِّترِ فَلْیُقْطَعْ فَلْیُجعَلْ مِنهُ وِسَادَتَینِ مَنبُوذَتَینِ تُوطَآنِ۔ ۳۰؎

(جبرئیل علیہ السلام میرے پاس آئے اور کہا: آپ حکم دیجیے کہ گھر میں موجود مجسمے کا سر کاٹ دیا جائے، تاکہ وہ درخت کی طرح ہوجائے اور پردے کے بارے میں کہیے کہ اسے دو ٹکڑے کرکے دو تکیے یا رومال بنا لیے جائیں۔)

(۳) حبس

حبس کا مفہوم یہ ہے کہ مجرم کے مال کو کچھ مدت تک کے لیے چھین لیا جائے، تاکہ اسے سبق حاصل ہو اور وہ جرم سے باز آجائے۔ پھر توبہ واصلاح کے بعد اس کا مال اسے واپس کردیا جائے اور اگر توبہ اور اصلاحِ حال کی کوئی امید ہی نہ ہو تو اسے افادۂ عام

کے کاموں میں لگا دیا جائے۔ بعض لوگوں نے لکھا ہے کہ حنفیہ میں سے امام ابو یوسفؒ، جو تعزیر مالی کے قائل ہیں، ان کے نزدیک یہی شکل مراد ہے۔ چنانچہ علامہ ابن نجیم مصریؒ بزازیہ کے حوالے سے لکھتے ہیں:

إن معنیٰ التعزیر بأخذ المال علی القول به امساک شيءٍ من ماله عنه مدة لینزجر، ثم یعیده الحاکم الیه، الاّ أن یأخذه الحاکم لنفسه أو لبیت المال، کما یتوهّمه الظلمة، أو لایجوز لأحد من المسلمین أخذ مال أحد بغیر سببٍ شرعيٍ۔

(جو لوگ مالی جرمانہ کے قائل ہیں ان کے نزدیک اس کا مطلب یہ ہے کہ مجرم کے مال کو ایک مدت تک کے لیے لے لیا جائے، تاکہ وہ اس جرم سے باز آجائے، اس کے بعد حاکم اسے واپس کردے۔ اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ اسے لے کر حاکم خود رکھ لے، یا بیت المال کے حوالے کردے، جیسا کہ ظالم حکمرانوں نے گمان کر رکھا ہے، کیوں کہ کسی مسلمان کے مال کو کسی شرعی سبب کے بغیر لینا جائز نہیں ہے۔)

مجتبیٰ کے حوالے سے لکھتے ہیں:

لم یذکر کیفیة الأخذ، وأری أن یأخذها، فیمسکها، فان أیس من توبته یصرفها الی ما یریٰ۔ ۳۱؎

(انہوں نے مال لینے کی کیفیت کی وضاحت نہیں کی ہے۔ میرا خیال ہے کہ اسے لے کر اپنے پاس محفوظ رکھے اور اگر اس کی توبہ سے مایوس ہو جائے تو اپنی صواب دید کے مطابق جہاں چاہے خرچ کرے۔)

اس کی نظیر یہ ہے کہ باغیوں کی سواری اور ہتھیار کو ان سے چھیننے کے بعد ایک مدت تک کے لیے محفوظ رکھا جاتا ہے اور توبہ کر لینے کے بعد انہیں واپس کر دیا جاتا ہے۔ ۳۲؎

(۴) تملیک

تملیک یہ ہے کہ مجرم کے مال کو چھین کر فقیروں اور مسکینوں کے حوالے کر دیا جائے، یا سرکاری خزانے میں جمع کر دیا جائے۔ بعض مالکی علماء اس شکل کے جواز

کے قائل ہیں۔ ۳۳؎ حنفیہ میں سے امام ابو یوسفؒ سے بھی یہی منقول ہے۔ اگر چہ بعض لوگوں نے اسے 'حبس' کی صورت پر محمول کیا ہے اور بعض مشائخ نے اسی کو اختیار کیا ہے، لیکن تاریخ کے صفحات نے ان لوگوں کے ناموں کو محفوظ نہیں رکھا ہے۔ چنانچہ علامہ ابن ہمامؒ خلاصۃ الفتاویٰ کے حوالے سے لکھتے ہیں:

سمعت من ثقة أن التعزير بأخذ المال ان رأى القاضي أو الوالي جاز ، و من جملة ذٰلک رجل لا يحضر الجماعة يجوز تعزيره بأخذ المال مبني على اختيار من قال بذٰلک من المشايخ كقول أبي يوسف۔ ۳۴؎

(میں نے بعض قابلِ اعتماد لوگوں سے سنا ہے کہ اگر قاضی یا حکم راں مناسب سمجھے تو مالی جرمانہ لینا جائز ہے، مثلاً کوئی شخص جماعت سے نماز نہ پڑھتا ہو تو اس سے مالی جرمانہ لینا جائز ہے۔ یہ رائے ان مشائخ کے قول پر مبنی ہے جو امام ابو یوسفؒ کی رائے کو اختیار کرتے ہیں۔)

(امام شافعی کا قول قدیم یہی ہے۔ ۳۵؎ حنابلہ میں سے بعض لوگ اسی کے قائل ہیں۔ علامہ ابن تیمیہؒ اور ابن قیمؒ نے اسی کو راجح قرار دیا ہے۔

اس کے برخلاف امام ابوحنیفہؒ اور محمدؒ کے نزدیک تعزیر مالی جائز نہیں ہے اور فقہ حنفی میں فتویٰ اسی پر ہے۔ ۳۶؎ مالکیہ کے یہاں بھی یہی راجح ہے۔ ۳۷؎ امام شافعیؒ کا بھی قولِ جدید یہی ہے اور اسی پر فتویٰ ہے۔ ۳۸؎ اسی طرح فقہِ حنبلی میں بھی یہی راجح ہے۔ ۳۹؎

جواز کے دلائل

۱۔ حضرت عبداللہ بن عمروؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے درخت پر لگے ہوئے پھل کی چوری کے سلسلے میں دریافت کیا گیا تو آپ نے فرمایا:

مَا أَصَابَ بِفِيهِ مِن ذِي حَاجَةٍ غَيرِ مُتَّخِذٍ خُبنَةً فَلاَ شَيئَ عَلَيهِ ، وَمَن خَرَجَ بِشَيئٍ مِنهُ فَعَلَيهِ غَرَامَةُ مِثلَيهِ ، وَالعُقُوبَةُ ، وَمَن سَرَقَ شَيئاً مِنهُ بَعدَ أَن يُؤوِيهِ الجَرِين فَبَلَغَ ثَمَنَ المِجَنِّ فَعَلَيهِ القَطعُ ، وَمَن سَرَق

دُونَ ذٰلِکَ فَعَلَیهِ غَرَامَۃُ مِثلَیهِ وَ العُقُوبَۃُ۔ ۴۰؎
(اگر کوئی ضرورت منداس میں سے کچھ کھالے تو کوئی حرج نہیں ہے، بشرطے کہ وہ کپڑے میں سمیٹ کر نہ لے جائے۔اور اگر کوئی شخص پھل سمیٹ کر باہر لے جائے تو اس سے دوگنا تاوان لیا جائے گا اور اس جرم پر اسے سزا دی جائے گی۔ اور اگر کھلیان میں آجانے کے بعد اس میں سے کچھ چوری کرلے اور اس کی قیمت ڈھال کے برابر ہو تو اس کا ہاتھ کاٹا جائے گا۔ اور اگر اس سے کم ہو تو اس سے دوگنا تاوان لیا جائے گا اور اس کی سرزنش کی جائے گی۔)

اور عمرو بن شعیب کی سند سے منقول ہے کہ قبیلۂ مزینہ کا ایک شخص خدمت نبوی میں حاضر ہوا اور دریافت کیا کہ جنگل میں چرتے ہوئے جانور کو کوئی شخص چوری کرلے تو اس کی کیا سزا ہے؟ آپؐ نے فرمایا:

هِيَ وَمِثلُهَا وَ النَّکَالُ ، وَلَیسَ فِي شَيءٍ مِنَ المَاشِیَۃِ قَطعٌ الاّ فِیهَا آوَاہُ المَرَاحُ ، فَبَلَغَ ثَمَنَ المِجَنِّ ، فَفِیهِ قَطعُ الیَدِ، وَمَا لَم تَبلُغ ثَمَنَ المِجَنِّ فَفِیهِ غَرَامَۃُ مِثلَیهِ وَ جَلدَاتُ نَکَالٍ۔ ۴۱؎
(وہ جانور واپس لیا جائے گا اور بطور تاوان اسی جیسا دوسرا جانور بھی۔ اور اسے عبرت ناک سزا دی جائے گی اور مویشی کی چوری میں ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا، الا یہ کہ کوئی باڑے میں موجود جانور کو چُرا لے اور اس کی قیمت ڈھال کے بقدر ہو تو ہاتھ کاٹا جائے گا۔ اور اگر ڈھال کے برابر نہ ہو تو دوگنا تاوان لیا جائے گا اور کوڑے کی عبرت ناک سزا دی جائے گی۔)

۲۔حضرت بہز بن حکیم کی سند سے منقول ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا:
مَن اَعطَاهَا مُؤتَجِراً فَلَہٗ اَجرُهَا ، وَمَن أبیٰ فَإنَّا آخِذُوهَا وَ شَطرَ اِبِلِهٖ عَزمَۃٌ مِن عَزمَاتِ رَبِّنَا لَایَحِلُّ لِآلِ محمَّدٍ مِنهَا شَیئٌ۔ ۴۲؎
(جو شخص ثواب کی نیت سے زکوٰۃ دے گا اسے اس کا اجر ملے گا اور جو کوئی اس سے انکار کرے گا تو میں اس سے زکوٰۃ بھی وصول کروں گا

اور اس سال اس کے آدھے اونٹوں کو لے لوں گا۔ یہ ہمارے رب کا قطعی حکم ہے اور اس میں آل محمد کے لیے کچھ بھی حلال نہیں ہے۔)

۳۔سلیمان بن ابی عبداللہ کہتے ہیں: ’’میں نے دیکھا کہ حضرت سعد بن وقاص رضی اللہ عنہ نے مدینہ کے حرم میں، جسے رسول اللہ ﷺ نے حرم قرار دیا تھا، ایک شخص کو شکار کرتے ہوئے پکڑا تو اس کا کپڑا چھین لیا۔ اس کے آقا اس کے بارے میں ان کے پاس گفتگو کرنے کے لیے آئے تو انہوں نے کہا: رسول اللہ ﷺ نے اسے حرام قرار دیا ہے اور فرمایا ہے: مَن أَخَذَ أَحَداً يَصِيدُ فِيهِ فَلْيَسْلُبْهُ ثِيَابَهُ۔ (جو کسی کو شکار کرتے ہوئے پائے تو اس کا کپڑا چھین لے) لہٰذا رسول اکرم ﷺ کے فرمان پر عمل کی وجہ سے جو چیز ملی ہے میں اسے واپس نہیں کرسکتا۔ البتہ اگر تم چاہو تو تمھیں اس کی قیمت ادا کردوں گا۔‘‘ [۴۳] اس واقعہ کو امام مسلمؒ نے بھی نقل کیا ہے۔ [۴۴]

یہ روایات مالی جرمانہ کے سلسلے میں بالکل واضح اور صریح ہیں۔ان کی کوئی ایسی معقول توجیہ نہیں کی جاسکتی، جس سے اس کی تردید ہو۔ ان احادیث کے ذریعہ استدلال کو دو طرح سے مخدوش کرنے کی کوشش کی گئی ہے:

۱۔اسلام کے ابتدائی دور میں مالی جرمانہ جائز تھا، مگر بعد میں منسوخ کردیا گیا۔نسخ کی دلیل وہ آیات وروایات ہیں جن میں ناحق طریقے سے کسی کے مال کو لینے سے منع کیا گیا ہے۔ان کی حیثیت اصول اور ضابطے کی ہے۔اس کے برخلاف جرمانہ لینے کی دلیلیں جزئی واقعات کی حیثیت رکھتی ہیں اور جزئی واقعات کے مقابلے میں اصولی دلائل کو ترجیح دی جاتی ہے۔

اس اعتراض کے جواب میں کہا گیا ہے کہ نسخ کے لیے یہ معلوم ہونا ضروری ہے کہ کون سا حکم پہلے دیا گیا اور کون سا بعد میں؟ یعنی ناسخ ومنسوخ کی تاریخ کا علم ہونا چاہیے اور مذکورہ مسئلے میں ایسی کوئی دلیل موجود نہیں ہے۔ چنانچہ علامہ نووی شافعیؒ لکھتے ہیں:

’’یہ دعویٰ کسی بھی طور سے ثابت نہیں ہے کہ مالی جرمانہ کی سزا اسلام کے ابتدائی دور میں دی جاتی تھی اور بعد میں منسوخ ہوگئی۔ دوسرے یہ کہ

نسخ کو اس وقت اختیار کیا جاتا ہے جب تاریخ معلوم ہو (جس سے یہ پتا چلے کہ کون حکم پہلے کا ہے اور کس حکم کا تعلق بعد سے ہے) اور اس معاملے میں تاریخ معلوم نہیں ہے۔'' ۴۵؎

علامہ ابن قیمؒ کہتے ہیں: ''جن لوگوں نے یہ کہا ہے کہ مالی جرمانہ مطلقاً منسوخ ہے انہوں نے اماموں کے نقطۂ نظر کو نقل کرنے اور اس سے استدلال کرنے میں غلطی کی ہے۔ امام احمدؒ وغیرہ کے نزدیک ان میں سے اکثر واقعات میں مالی جرمانہ جائز ہے۔ اسی طرح امام مالکؒ کے یہاں ان میں سے بہت سے معاملات میں تعزیر مالی درست ہے۔ آپؐ کی وفات کے بعد خلفائے راشدین اور اکابرِ صحابہ کا طرزِ عمل نسخ کے دعوے دار کو باطل کرنے کے لیے کافی ہے۔ جو لوگ نسخ کے دعوے دار ہیں ان کے پاس نہ تو کتاب وسنت کی کوئی دلیل ہے اور نہ اجماع، جو ان کے دعوے کو صحیح قرار دے سکے۔ ۴۶؎

۲۔ دوسرا اعتراض یہ ہے کہ زکوٰۃ ادا نہ کرنے کی صورت میں بطور جرمانہ آدھا مال چھین لینے والی بہز بن حکیم کی سند سے مروی روایت ضعیف ہے۔ اس کے جواب میں کہا جاتا ہے کہ یہ حدیث کسی بھی حال میں درجۂ حسن سے کم تر نہیں ہے۔ امام ابوداؤدؒ کی روایت کے بارے میں علامہ نوویؒ کہتے ہیں کہ بہز تک اس کی سند بخاری ومسلم کے معیار کے مطابق ہے، البتہ بہز کے بارے میں اختلاف ہے۔ علی بن مدینیؒ اور یحییٰ بن معینؒ نے انہیں ثقہ قرار دیا ہے اور یحییٰ بن معینؒ سے بہز عن ابیہ عن جدہ کے متعلق پوچھا گیا تو انہوں نے فرمایا: ''یہ سند صحیح ہے، اگر اس سے نیچے کے راوی قابل اعتماد ہوں۔'' ۴۷؎

۴۔ یحییٰ بن عبدالرحمن کہتے ہیں کہ ان کے والد حضرت عبدالرحمن بن حاطبؓ کے غلاموں نے قبیلۂ مزینہ کے ایک آدمی کی اونٹنی چوری کر کے ذبح کر دی۔ حضرت عمرؓ کو اس واقعہ کی اطلاع ملی۔ پہلے تو انہوں نے ان کے ہاتھوں کو کاٹنے کا حکم دیا، لیکن پھر کچھ سوچ سمجھ کر رک گئے۔ عبدالرحمن بن حاطب سے کہا: میرا خیال ہے کہ تم انہیں بھوکا رکھتے ہو، جس کی وجہ سے وہ چوری پر مجبور ہوئے۔ اللہ کی قسم، میں تم پر ایک بھاری جرمانہ لگاؤں گا۔ پھر اونٹنی کے مالک سے پوچھا کہ اس کی کیا قیمت ہوگی؟ اس نے کہا: چار سو درہم۔ حضرت عمرؓ نے عبدالرحمن بن حاطب سے کہا کہ جاؤ، اسے آٹھ سو درہم

ادا کرو۔ ۴۸؎ حضرت عمرؓ سے یہ بھی منقول ہے کہ گم شدہ جانور کو اگر کوئی شخص چھپا لے تو اس سے دوگنا تاوان لیا جائے گا۔ ۴۹؎ مگر ان میں سے پہلا واقعہ سند کے اعتبار سے منقطع ہے، کیوں کہ یحییٰ بن عبد الرحمن کی حضرت عمرؓ سے ملاقات ثابت نہیں اور نہ انہوں نے ان سے کوئی روایت سنی ہے۔ بعض لوگوں نے یحییٰ کے بعد ان کے والد کا اضافہ کیا ہے، یعنی ان کے والد نے مذکورہ واقعہ کو دیکھا۔ مگر ابو عمر کہتے ہیں کہ یہ راوی کا وہم ہے، کیوں کہ موطا کے تمام راویوں نے اس اضافے کے بغیر اسے نقل کیا ہے اور یہ متن کے اعتبار سے منکر ہے۔ کیوں کہ یہ ظلم و زیادتی اور تاوان کے اصول کے خلاف ہے۔ ۵۰؎

۵۔ ایک شخص نے کسی کی اونٹنی کو ہلاک کر دیا۔ اس کے مالک نے حضرت عثمانؓ سے فریاد کی تو انہوں نے فیصلہ کیا کہ اونٹنی کی قیمت اور مزید اس کی قیمت کا ایک تہائی حصہ بطور تاوان ادا کیا جائے۔ علامہ ابن حزمؒ اس روایت کو نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں کہ یہ انتہائی درجے کی صحیح روایت ہے اور صحابہ میں سے کسی سے اس کے برخلاف منقول نہیں ہے۔ ۵۱؎ گویا اس پر ایک طرح سے اتفاق اور اجماع ہے۔

حضرت عثمانؓ کا فیصلہ سندی حیثیت سے بے غبار ہے، مگر اس کی یہ تاویل کی گئی ہے کہ انہوں نے اونٹ کی قیمت سے زیادہ تاوان اس سامان کے بدلے میں دلایا جو اس نے اونٹ پر لاد رکھا تھا۔ اس کی قیمت اونٹ کی تہائی قیمت کے برابر تھی اور ہلاک کرنے والے نے اونٹ کے ساتھ اسے بھی ضائع کر دیا تھا۔ اس فیصلے کی یہ تاویل ضروری ہے، کیوں کہ یہ ظلم و زیادتی اور تاوان کے متفقہ اصول کے خلاف ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

فَمَنِ اعۡتَدَىٰ عَلَيۡكُمۡ فَاعۡتَدُواْ عَلَيۡهِ بِمِثۡلِ مَا اعۡتَدَىٰ عَلَيۡكُمۡ (البقرۃ: ۱۹۴)

(تو اگر کوئی شخص تم پر زیادتی کرے تو تم بھی ویسی ہی زیادتی اس پر کرو جیسی زیادتی اس نے تم پر کی ہے۔)

وَإِنۡ عَاقَبۡتُمۡ فَعَاقِبُواْ بِمِثۡلِ مَا عُوقِبۡتُم بِهِۦ (النحل: ۱۲۶)

(اور اگر تم لوگ (کسی کے ظلم کا) بدلہ لو تو اتنا ہی بدلہ لو جتنی زیادتی تمہارے ساتھ کی گئی ہے۔)

اور تمام علماء کا اس پر اجماع ہے کہ اگر کوئی شخص کسی کے سامان کو ضائع کردے تو اس سے صرف اسی جیسا دوسرا سامان یا اس کی قیمت لی جائے گی۔ ۵۲ ۔

۶۔ کتاب وسنت میں متعدد خطاؤں اور گناہوں پر کفارہ واجب کیا گیا ہے، جس کی بعض صورتوں میں مال خرچ کرنا ہوتا ہے۔ غور کیا جائے تو یہ بھی ایک طرح سے مالی جرمانہ ہے۔ چنانچہ قتل خطا، ظہار کرنے اور رمضان میں روزہ رکھ کر جماع کرنے پر ایک غلام آزاد کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ اسی طرح قسم توڑ دینے اور رمضان میں روزہ رکھ کر جماع کر لینے یا ظہار کر لینے اور پھر غلام آزاد کرنے یا روزہ نہ رکھنے کی عدم استطاعت کی صورت میں مسکینوں کو کھانا کھلانے کا حکم دیا گیا ہے۔ نیز احرام کی حالت میں شکار کرنے یا احرام کے ممنوعات کے ارتکاب یا واجب کے چھوڑنے پر مالی کفارہ ادا کرنا ہوتا ہے۔ قتل کی بعض صورتوں میں دیت وصول کرنا بھی ایک طرح سے مالی جرمانہ ہے۔

عدم جواز کے دلائل

۱۔ مالی جرمانہ لوگوں کے مال کو باطل طریقے سے ہڑپنے اور خوشی ورضامندی کے بغیر زبردستی چھین لینے میں داخل ہے۔ حالاں کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

يَاأَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوا لاَ تَأْكُلُوا أَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ إِلاَّ أَن تَكُونَ تِجَارَةً عَن تَرَاضٍ مِنْكُمْ (النساء: ۲۹)

(اے لوگو جو ایمان لائے ہو! آپس میں ایک دوسرے کے مال باطل طریقوں سے نہ کھاؤ۔ لین دین ہونا چاہیے آپس کی رضامندی سے۔)

وَلاَ تَأْكُلُوا أَمْوَالَكُم بَيْنَكُم بِالْبَاطِلِ وَتُدْلُوا بِهَا إِلَى الْحُكَّامِ لِتَأْكُلُوا فَرِيْقاً مِنْ أَمْوَالِ النَّاسِ بِالإِثْمِ وَأَنتُمْ تَعْلَمُونَ (البقرة: ۱۸۸)

(اور تم لوگ نہ تو آپس میں ایک دوسرے کے مال ناروا طریقے سے کھاؤ اور نہ حاکموں سے آگے ان کو اس غرض کے لیے پیش کرو کہ تمھیں دوسروں کے مال کا کوئی حصہ قصداً ظالمانہ طریقے سے کھانے کا موقع مل جائے۔)

اور رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

مَنِ اقْتَطَعَ مَالَ امْرِئٍ مُسلِمٍ بِغَيرِ حَقٍّ لَقِيَ اللّٰهَ وَهُوَ عَلَيهِ غَضْبَانُ ۔ ۵۳؎

(جس شخص نے کسی مسلمان کا مال ناحق طریقے سے لیا وہ اللہ سے اس حال میں ملے گا کہ اللہ اس سے ناراض ہوگا۔)

اور ایک حدیث میں ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا:

اَلَا لَا تَظلِمُوا، اَلَا لَا يَحِلُّ مَالُ امْرِئٍ اِلّا بِطِيبِ نَفسِهٖ ۔ ۵۴؎

(خبردار! ایک دوسرے پر ظلم نہ کرو۔ خبردار! کسی کا مال اس کی مرضی کے بغیر لینا جائز نہیں۔)

جو لوگ مالی جرمانہ کے قائل ہیں وہ کہتے ہیں کہ یہ ناحق مال کو کھانا نہیں ہے، بلکہ شرعی سبب سے یہ لیا جا رہا ہے اور شرعی سبب سے جو مال حاصل کیا جائے اسے باطل نہیں کہا جا سکتا۔ حدیث سے استدلال کے سلسلے میں مفتی محمد تقی عثمانی نے فرمایا:

''تعزیر بالمال کے عدم جواز پر کوئی صریح دلیل مجھے نہیں ملی۔ عام طور پر فقہاء اس حدیث سے استدلال کرتے ہیں جس میں حضور اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا: **لَا يَحِلُّ مَالُ امْرِئٍ اِلّا بِطِيبِ نَفسِهٖ**، یعنی کسی مسلمان کا مال اس کی طیبِ نفس کے بغیر حلال نہیں ہے۔ لیکن یہ استدلال کمزور ہے، اس لیے کہ اس حدیث میں اس مسلمان کا ذکر ہے جو کسی گناہ اور جرم کا مرتکب نہ ہو۔ لیکن اگر کوئی مسلمان کسی جرم کا مرتکب ہو تو اس پر جس طرح سے جسمانی سزا عائد کی جا سکتی ہے، اسی طرح مالی سزا بھی عائد کی جا سکتی ہے، اس لیے کہ مسلمان کا مال تو طیب نفس سے حلال ہو جاتا ہے، لیکن جان تو طیبِ نفس سے بھی حلال نہیں ہوتی۔ لہٰذا جب کسی مسلمان نے جرم کیا اور پھر سزا کے طور پر اس کی جان کو کوئی نقصان پہنچایا جا رہا ہے تو یہ سب کے نزدیک جائز ہے تو پھر مال، جو طیب نفس سے حلال ہو جاتا ہے، وہ جرم کے ارتکاب کی صورت میں بدرجہ اولیٰ جائز ہونا چاہیے۔'' ۵۵؎

۲۔بعض لوگوں نے دعویٰ کیا ہے کہ مالی جرمانہ کے ناجائز ہونے پر اجماع ہے، چنانچہ علامہ دسوقیؒ نے لکھا ہے: **لَایَجوزُ التَّعزِیزُ بِاَخْذِ المَالِ اِجْمَاعًا۔**۵۶۔ لیکن ماقبل میں جو اختلاف ذکر کیا گیا ہے وہ اس دعوے کی تردید کے لیے کافی ہے۔

۳۔اگر مالی جرمانہ کو جائز قرار دیا جائے تو ظالم وجابر حکم رانوں کے لیے لوگوں کے مال کو ہڑپنے کا ایک آسان بہانہ ہاتھ آجائے گا۔ اس لیے 'سدِّ ذریعہ' کے طور پر اسے ناجائز قرار دیا جائے گا۔۵۷۔

میرا خیال ہے کہ یہی وہ اہم دلیل ہے جس کی بنیاد پر عام طور پر فقہاء تعزیر مال کو ناجائز کہتے ہیں۔ کیوں کہ اس زمانے میں ظلم و جور کا دور دورہ تھا۔مختلف بہانوں سے لوگوں کی زمین، جائیداد اور مال ومتاع کو ہتھیا لینے کا عام رواج تھا۔ اس پس منظر میں علماء نے اسے ناجائز قرار دیا۔ان کی کوشش ہوتی تھی کہ جواز سے متعلق اقوال سے حکم راں آگاہ نہ ہونے پائیں۔ چنانچہ علامہ محمد جعفر سندھیؒ کہتے ہیں:

الّا أن رواية جواز التعزير بأخذ المال ينبغى أن لا يطّلع عليه سلاطين زماننا ،لأنّهم بعد الا طلاع قد يجاوزون حدّ الأخذ بالحق الى التعدّي بالباطل۔ ۵۸۔

(تعزیر مالی کے جواز کی بات ہمارے زمانے کے حکم رانوں کو نہیں معلوم ہونی چاہیے۔اس لیے کہ اس سے آگاہ ہوجانے کے بعد وہ جائز طریقے سے لینے کے بجائے ناحق اور ظلم وزیادی سے لینے لگیں گے۔)

مگر ہندوستان جیسے ممالک میں، جہاں اقتدار مسلمانوں کے ہاتھ میں نہیں ہے اور معاصی وجرائم سے باز رکھنے کے لیے کوئی جسمانی سزا نہیں دی جاسکتی ہے، یہاں اس کے سوا کوئی مؤثر طریقہ نہیں ہے کہ مالی جرمانہ کی اجازت دی جائے،جس میں حد سے تجاوز کا امکان بہت کم ہے۔مولانا عزیز الرحمن دیوبندیؒ نے رائے دی ہے کہ ''عوام کو سوائے جرمانہ کے اور کسی طریقے سے تنبیہ ہونا دشوار ہے۔'' چنانچہ نماز چھوڑنے پر مالی جرمانہ کے سلسلے میں وہ کہتے ہیں:

''پس جس طریقے سے بے نمازی کو پابندِ نماز بناسکیں وہ ضروری ہے

اور ظاہر ہے کہ عوام کو سوائے جرمانہ کے کسی اور طریقے سے تنبیہ ہونا دشوار ہے اور ہر ایک تعزیر کو ہر ایک شخص جاری بھی نہیں کرسکتا اور جرمانہ مالی بکیفیتِ خاص ائمہ سے منقول ہے۔"۵۹۔

حواشی ومراجع

۱۔ لسان العرب: ۲۹۲۵/۴۔ الموسوعۃ الفقہیۃ: ۲۵۴/۱۲ ۲۔ الصحاح: ۶۰۳/۱۔ مقاییس اللغۃ: ۶۶۹

۳۔ روضۃ الطالبین: ۳۸۲/۷ ۴۔ صحیح بخاری: ۶۴۵۸، صحیح مسلم: ۱۷۰۸

۵۔ سنن ابی داؤد: ۴۳۶۳، جامع ترمذی: ۱۴۱۷ ۶۔ فتح القدیر: ۳۴۵/۵

۷۔ البحر الرائق: ۵/۱۷، نیز دیکھیے نہایۃ المحتاج: ۱۹/۸ ۸۔ فتح القدیر: ۳۴۵/۵

۹۔ علامہ عینیؒ کہتے ہیں: التعزیر للتادیب۔ البنایۃ: ۲۱۱/۳۔ اور علامہ شامیؒ کہتے ہیں: لأن التعزیر شرع للتطهیر۔ رد المحتار: ۱۰۳/۶۔ نیز دیکھیے الموسوعۃ الفقہیۃ: ۲۵۶/۱۲

۱۰۔ انہ یهدم البیت علی من اعتاد الفسق وأنواع الفساد في داره۔ رد المحتار: ۱۱۰/۶

۱۱۔ تبصرۃ الحکام: ۲۹۸/۲

۱۲۔ چنانچہ مطالب اُولی النہیٰ میں ہے: "وکذا یحرم التعزیر بأخذ ماله أو اتلافه۔" اور علامہ ابن قدامہؒ کہتے ہیں: ولأن الواجب أدب والتأدیب لا یکون بالاتلاف۔ المغنی: ۵۲۶/۱۲

۱۳۔ عبداللہ بن محمد بن عبدالوہاب لکھتے ہیں: التعزیر بالمال سائغ اتلافاً وأخذاً، وهو جارٍ علی أصل أحمد، لأنه لم یختلف أصحابه أن العقوبات فی المال غیر منسوخة۔ الدرر السنیۃ: ۴۴۹/۷

۱۴۔ جلادینے کے قصے کو ابن اسحاق اور ابن مردویہ وغیرہ نے نقل کیا ہے۔ تفسیر ابن کثیر: ۳۸۹/۲، الدر المنثور: ۲۸۵/۴ اور علامہ ابن تیمیہؒ نے اسے صحیح قرار دیا ہے۔ (الحسبۃ فی الاسلام: ۴۷) بعض لوگوں نے مرسل ہونے کی وجہ سے اسے ناقابل اعتبار قرار دیا ہے، جو صحیح نہیں ہے، کیوں کہ بہت سے اماموں کے نزدیک مرسل قابل اعتماد ہے۔

۱۵۔ صحیح بخاری: ۴۲۰۲، صحیح مسلم: ۱۷۴۶۔ ۱۶۔ احکام القرآن: ۱۷۶۸/۴۔

۱۷۔ صحیح بخاری: ۶۱۸، صحیح مسلم ۱۶۵۱۔ ۱۸۔ اوجز المسالک: ۱۲/۳

۱۹۔ سنن ابی داؤد: ۲۷۱۳، جامع ترمذی: ۱۴۶۱ ۲۰۔ سنن ابی داؤد: ۲۷۱۵

۲۱۔ صحیح بخاری، کتاب الجہاد والسیر، باب القلیل من الغلول

۲۲۔ عمدۃ القاری: ۱۵/۷ ۲۳۔ العرف الشذی: ۴۲۷

۲۴۔ دیکھئے مسند احمد: ۳۹۰۔ کتاب الزھد لابن المبارک: ۴۷۴

۲۵۔ کتاب الاموال لابی عبید: ۹۷۔ الاسماء والکنیٰ للدولابی: ۵۸۴/۲

۲۶۔ الآداب الشرعیۃ: ۱/ ۲۶۳
۲۷۔ المدونۃ: ۳/ ۴۴۴، وقال ابن تیمیہ: هذا ثابت عن عمر (الحسبۃ: ۳۱)
۲۸۔ الموسوعۃ الفقهیۃ: ۱۲/ ۲۷۲ ۲۹۔ صحیح مسلم: ۲۱۰۷
۳۰۔ سنن ابی داؤد: ۴۱۵۸، جامع ترمذی: ۲۸۰۶ ۳۱۔ البحر الرائق: ۵/ ۶۸
۳۲۔ الموسوعۃ الفقهیۃ: ۱۲/ ۲۷۱
۳۳۔ الاعتصام: ۲/ ۱۲۴۔ تبصرۃ الحکام: ۲/ ۲۹۷۔ ابن فرحونؒ نے نقل کیا ہے کہ امام مالکؒ سے پانی ملے ہوئے دودھ کے بارے میں پوچھا گیا کہ کیا اسے بہادیا جائے؟ توانہوں نے کہا: نہیں، بلکہ اگر بیچنے والے نے پانی ملا کر دھوکہ دیا ہے تو دودھ کو اس سے لے کر صدقہ کر دیا جائے۔ ملاوٹی زعفران اور مشک کے سلسلے میں بھی ان کی یہی رائے ہے۔ دیکھیے تبصرۃ الحکام: ۲/ ۲۹۸
۳۴۔ فتح القدیر: ۵/ ۳۴۵ ۳۵۔ المھذب: ۱/ ۱۴۸
۳۶۔ ردالمحتار ۶/ ۱۰۶ ۳۷۔ حاشیہ الدسوقی علی الشرح الکبیر: ۴/ ۳۵۵
۳۸۔ المھذب ۱/ ۱۴۸، المجموع: ۵/ ۳۰۸ ۳۹۔ المغنی: ۱۲/ ۵۲۶
۴۰۔ سنن ابی داؤد: ۱۰۷۱، سنن نسائی: ۴۹۵۸ ۴۱۔ سنن نسائی: ۴۹۵۹
۴۲۔ سنن ابی داؤد: ۱۵۷۵، سنن نسائی: ۲۴۴۴ ۴۳۔ سنن ابی داؤد: ۲۰۳۷
۴۴۔ صحیح مسلم: ۱۳۶۴ ۴۵۔ المجموع: ۵/ ۳۰۸
۴۶۔ الطرق الحکمیۃ: ۲/ ۶۹۲ ۴۷۔ المجموع: ۵/ ۳۰۴
۴۸۔ مصنف عبدالرزاق: ۱۰/ ۲۳۸۔ المحلیٰ: ۱۳/ ۱۶۶۔ ابن حزم کہتے ہیں: فهذا أثر من عمر كالشمس۔
۴۹۔ الموسوعۃ الفقهیۃ: ۱۲/ ۲۷۲
۵۰۔ دیکھیے اعلاء السنن: ۱۱/ ۶۸۸۔ مگر ابن جریج نے بھی اسے عن ابیہ کے اضافہ کے ساتھ نقل کیا ہے۔ مصنف عبدالرزاق: ۱۰/ ۲۲۸
۵۱۔ المحلیٰ: ۱۳/ ۱۶۶ ۵۲۔ اعلاء السنن: ۱۱/ ۶۸۸
۵۳۔ مسند احمد: ۶ ۳۹۴ ۵۴۔ مسند احمد: ۲۰۶۵۹
۵۵۔ درس ترمذی: ۵/ ۱۱۹ ۵۶۔ حاشیہ الدسوقی علی الشرح الکبیر: ۴/ ۳۵۵
۵۷۔ ردالمحتار ۶/ ۱۰۶ ۵۸۔ احسن الفتاویٰ: ۵/ ۵۵۳
۵۹۔ فتاویٰ دارالعلوم: ۱۲/ ۲۳۴

مولانا سید جلال الدین عمری کی

دو اہم کتابیں

تہذیب وسیاست کی اسلامی قدریں

آج اسلامی تہذیب کو مغربی تہذیب کے لیے ایک چیلنج سمجھا جارہا ہے اور اس کی تصویر بگاڑنے کی کوشش کی جارہی ہے۔ کبھی تو اس کے مستقل وجود ہی سے انکار کیا جاتا ہے۔ پیش نظر کتاب میں تہذیب وسیات کی تعمیر میں اسلام کا کردار، سلام، امن وسلامتی کا پیغام، تحائف کی دینی و سماجی حیثیت، اسلام اور اصول سیاست، اسلام اور سیاست، اسلام کا شورائی نظام، مغرب اور انسانی حقوق کی تحریک، اسلام اور انسانی حقوق کی ضمانت جیسے موضوعات پر اسلامی نقطۂ نظر سے گفتگو کی گئی ہے اور بعض سوالات یا اعتراضات کا جواب بھی دیا گیا ہے۔

یہ مولانا کے ان مقالات کا مجموعہ ہے جو انھوں نے مختلف مواقع پر سپرد قلم فرمائے تھے اور وہ مجلہ تحقیقات اسلامی علی گڑھ میں شائع ہوئے۔ ان کی یکجا ترتیب سے تہذیب و سیاست کے میدان میں اسلام کے نقطۂ نظر کی عمدہ پیرائے میں وضاحت ہوتی ہے اور اس کی تعمیر میں اسلام کا انقلابی کردار نمایاں ہوتا ہے۔ **صفحات: 96 قیمت: 65روپے**

اسلام میں خدمتِ خلق کا تصور

خدمتِ خلق کے موضوع پر یہ ایک شاہ کار تصنیف ہے۔ اس میں درج ذیل عناوین پر بڑی عالمانہ اور تحقیقی بحث کی گئی ہے:

خدمت خلق کا صحیح تصور اور غلط تصورات کی تردید، خدمتِ خلق کا اجر وثواب، خدمت کے مستحقین، خدمت سب کی کی جائے، وقتی خدمات، رفاہی خدمات، خدمت کے لیے انفرادی واجتماعی کوششیں، خدمت کے لیے اخلاص کی ضرورت۔ موجودہ دور میں خدمت کے تقاضے اور ان پر عمل کی شکلیں۔ **صفحات: ۱۵۴، قیمت: ۱۱۰ روپے**

اس کتاب کا انگریزی، عربی، ہندی، ملیالم اور ٹمل زبانوں میں ترجمہ ہو چکا ہے۔

ملنے کا پتہ: مرکزی مکتبہ اسلامی پبلیشرز، نئی دہلی۔ 110025

ادارۂ تحقیق وتصنیف اسلامی، علی گڑھ۔ 202002

مکی عہدِ نبویؐ میں نوجوان صحابہ

اور ان کی خدمات

______ جناب عابدالحسن

صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کو خاتم الانبیاء رسول اکرم ﷺ کی زیارت، خدمت، صحبت ومعیت حاصل ہوئی اور آپؐ سے براہ راست فیض نصیب ہوا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی عظمت کو اس طرح بیان کیا ہے کہ رہتی دنیا تک اس کا انکار ممکن نہیں۔مکی دورِنبوی کے کٹھن مراحل میں رسول اللہ ﷺ کی معیت ورفاقت مشکل امر تھا،مگر انہوں نے تمام مشکلات کا پوری ثابت قدمی سے مقابلہ کیا۔ان کی قربانیوں کی بدولت ہی آج دینِ اسلام کی دنیا کے ہر گوشہ میں رسائی ممکن ہوسکی۔

دورِ جوانی کا تعین

انسانی زندگی کے کس مرحلے کو'نوجوا'' سے تعبیر کیا جاتا ہے؟ اس سلسلے میں مفسرین،محدثین اور فقہاء کے بیانات سے رہ نمائی ملتی ہے۔ابن عطیہ اُندلسی لکھتے ہیں:الفتی: فِي كَلَامِ العَرَبِ اَلشَّابُ۔[1] ''عربوں کے ہاں ''الفتی' سے مراد 'الشاب' ہے۔'' امام قرطبیؒ نے بھی یہی لکھا ہے۔[2] امام ابو یوسفؒ کے نزدیک نوجوانی کی عمر پندرہ (۱۵) برس سے شروع ہوتی ہے۔[3] علامہ بدرالدین عینیؒ نے بھی امام محمدؒ کے حوالے سے یہی بات لکھی ہے۔[4] امامِ لغت ابو ہلال الحسن بن عبداللہ کی بھی یہی رائے ہے۔حضرت عبداللہ بن عمرؓ بیان کرتے ہیں کہ غزوۂ احد کے موقع پر ان کی عمر چودہ (۱۴) سال برس تھی۔تب رسول اللہ ﷺ نے انھیں غزوہ میں شرکت کی اجازت نہیں دی تھی۔لیکن غزوۂ خندق میں آپؐ نے شرکت کی اجازت دے دی، جب

کہ وہ پندرہ (۱۵) برس کے ہو گئے تھے۔ ۵؎ امام خطابیؒ نے اس روایت کو نقل کرنے کے بعد بلوغت کی حد کا تعین کرتے ہوئے اپنی رائے اور امام شافعیؒ کے قول کا ذکر ان الفاظ میں کیا ہے:

"قلتُ اِختلَفَ أَھلُ العِلمِ فِی حَدِّ البلُوغِ الذِی إذَا بَلغَه الصَبِی أُقیمَ علَیه الُحد، فَقالَ الشَافعی إِذَا اِحتلَمَ الغُلامُ أَو بلَغَ خمسَ عَشرۃَ سنَۃً فَإِنَّ حُکمه حکمُ البَالغین"۔ ۶؎

(میرے نزدیک اہلِ علم کے ہاں بلوغت کی حد میں اختلاف ہے کہ بچہ کس عمر میں بالغ سمجھا جائے گا کہ اگر وہ جرم کرے تو اُس پر حد جاری کی جائے گی۔امام شافعیؒ نے فرمایا کہ جب بچہ کو خواب (احتلام) آئے یا پندرہ (۱۵) برس کا ہو تو اُس کے احکام بالغین کی طرح ہوں گے۔)

اگر بلوغت کو حد قرار دیا جائے تو نوجوانی کی ابتدا کا تعین مشکل ہو جاتا ہے، کیوں کہ ہر فرد کی بلوغت کی عمر الگ الگ ہوتی ہے۔اس لیے نوجوانی کی ابتدا پندرہ (۱۵) برس قرار دینا مناسب ہوگا۔ایسا کرنے سے اختلاف رفع ہو جاتا ہے۔

نوجوانی کے تعین کے لیے اس کے اختتام کا تعین بھی ضروری ہے۔ امام نوویؒ لکھتے ہیں کہ ہمارے اصحاب کے ہاں نوجوانی کی حد تیس (۳۰) برس متعین ہے: "الشَّابُ عِندَ أَصحَابِنَا ھُوَ مَنْ بَلَغَ وَ لَمْ یُجَاوِزْ ثَلَاثِینَ سَنَۃً"۔ ۷؎ حنبلی فقہاء میں سے امام علاء الدین 'الشَّابُ، و الفَتی' کا اطلاق بلوغت سے لے کر تیس (۳۰) برس کی عمر تک کرتے ہیں۔ ۸؎

ان اقوال سے اس بات کا تعین ہو جاتا ہے کہ نوجوانی کا آغاز پندرہ (۱۵) برس اور اختتام تیس (۳۰) برس پر ہو جاتا ہے۔

اس مقالے میں چند اہم اور مشہور نوجوان صحابہ کرامؓ کا تعارف کراتے ہوئے ان کی خدمات پر روشنی ڈالی جائے گی۔

حضرت اَرقم بن اَبی الاَرقمؓ

آپؓ وہ خوش نصیب ہیں جن کے دولت خانہ کو رسول اللہ ﷺ کی خدمت کرنے کی سعادت ملی۔ آپؓ نے اپنے گھر کو مسلمانوں کے اجتماع کے لیے وقف کر دیا تھا، جس سے ابتدا میں اسلام قبول کرنے والوں کو آسانی ہو گئی تھی۔ رسول اللہ ﷺ خود بھی اس گھر میں قیام فرماتے اور صحابہ کی رہنمائی فرماتے۔ اسلام کی سربلندی کے لیے یہ سب سے پہلا گھر ہے، جس کو دعوتِ اسلام کے لیے منتخب ہونے کا شرف حاصل ہے۔ یہیں سے دنیا کے اندر اسلام کی شعاعیں پھیلنا شروع ہوئیں۔ حضرت ارقمؓ نے تقریباً بارہ (۱۲) برس کی عمر میں اسلام قبول کیا تھا۔

اس گھر کو اسلامی تاریخ میں 'دارِ ارقم' کے نام سے شہرت ملی۔ ۹؎ اس کو یہ سعادت بھی نصیب ہے کہ اس میں رسول اللہ ﷺ پر وحی کا نزول ہوتا تھا۔ ملا علی قاریؒ نے مکہ میں نزولِ وحی کے جن پانچ مقامات کا ذکر کیا ہے ان میں سے ایک دارِ اَرقم بھی ہے۔ ۱۰؎

اس میں رسول اللہ ﷺ سے صحابۂ کرام ملاقات کرتے، نماز ادا کرتے اور دیگر عبادات بجا لاتے۔ یہ سلسلہ دین کے عام اعلان تک جاری رہا۔

حضرت ارقمؓ کا تعلق قبیلۂ بنو مخزوم سے تھا۔ بنو ہاشم اور بنو مخزوم کے تعلقات ہمیشہ خراب رہتے تھے۔ جب آپ نے اسلام قبول کیا تو کسی کو اس کا گمان نہ ہوا۔ پہلے آپ نے اپنے قبولِ اسلام کو چھپائے رکھا۔ رسول اللہ ﷺ نے آپ کے گھر کو تبلیغِ اسلام کے لیے منتخب فرمایا۔ کیوں کہ کوئی سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ بنو ہاشم کی طرف سے اٹھنے والی دعوتِ دین بنو مخزوم کے گھر میں پروان چڑھے گی۔ ۱۱؎ حضرت اَرقم نے اس سارے معاملہ کو انتہائی رازداری کے میں رکھا۔ یہ سلسلہ تقریباً تین برس جاری رہا۔

حضرت جعفر بن اَبی طالبؓ

حضرت جعفرؓ دارِ ارقم میں داخل ہونے سے قبل ہی تقریباً اکیس (۲۱) یا

بائیس (۲۲) برس کی عمر میں اسلام قبول کر چکے تھے۔ اس گھر میں رسول اللہ ﷺ نے ہر نہج پر صحابہ کرامؓ کی رہ نمائی فرمائی تھی۔ حبشہ کی طرف دوسری ہجرت میں آپ تمام مہاجرین کی قیادت کرتے ہوئے اپنی زوجہ حضرت اسماء بنت عمیسؓ کو بھی ساتھ لے گئے۔ ۱۲؎ چوں کہ آپ ابتدا ہی سے بڑے معاملہ فہم تھے، اس لیے رسول اللہ ﷺ نے آپ کو اس ہجرت کے دوران میں مہاجرین کا قائد مقرر فرما دیا۔

جب مسلمان ہجرت کر کے حبشہ پہنچ گئے تو اہل قریش نے اپنی ضد اور ہٹ دھرمی پر قائم رہتے ہوئے انہیں واپس لانے کی تگ و دو شروع کر دی۔ اس کے لیے انہوں نے بے شمار ہدایا دے کر دو افراد: عبداللہ بن ربیعہ اور عمرو بن العاص کو شاہِ حبشہ کے پاس بھیجا۔ ان دونوں نے پہلے بادشاہ کی خدمت میں تحائف پیش کیے، اس کے بعد مہاجرین کی واپسی کی درخواست کی، مگر بادشاہ نے مہاجرین کی بات سننے سے قبل انھیں واپس کرنے سے منع کر دیا۔ ۱۳؎

جب شاہِ نجاشی نے مسلمانوں کا موقف سننا ضروری سمجھا تو اہلِ اسلام نے اس سے فائدہ اٹھانے کا ارادہ کیا۔ یہ تب ہی ممکن تھا جب بادشاہ کے سامنے ایسی گفتگو کی جائے جو اس کے قلب و ذہن پر اثر کر سکے۔ اس کے لیے کسی ایسے شخص کی ضرورت تھی جو عقل و فہم سے متصف ہو۔ انھوں نے اس کے لیے حضرت جعفرؓ کو منتخب کیا۔ آپ نے بادشاہ کے سامنے ایسی دعوتی گفتگو فرمائی کہ مشرکین کے نمائندوں کو بھرے دربار میں ذلّت کا سامنا کرنا پڑا۔

حضرت اُم سلمہؓ فرماتی ہیں کہ حضرت جعفر طیارؓ کی گفتگو سننے کے بعد بادشاہ نے سوال کیا: ''کیا تمہارے رسول جو کچھ اللہ تعالیٰ کی طرف سے لے کر آئے ہیں اُس میں سے تمہارے پاس کچھ ہے؟ حضرت جعفرؓ نے ہاں کہا تو بادشاہ نے اسے سنانے کا حکم دیا۔

یہ حضرت جعفر کی ذہانت تھی کہ انھوں نے فوراً وہ آیات تلاوت فرمائیں جو بادشاہ پر اثر انداز ہو۔ بادشاہ عیسائی تھا۔ آپؓ نے سورۂ مریم کی ابتدائی آیات کی تلاوت فرمائی۔ ان آیات میں حضرت زکریاؑ، حضرت یحییٰؑ، حضرت مریمؑ اور حضرت عیسیٰؑ کا اختصار

کے ساتھ ذکر ہے اور بعض ان حقائق کا بیان ہے جو انجیل میں موجود نہیں تھے۔

نجاشی نے جب یہ معجزانہ کلام سنا تو اُس کے دل پر اتنا اثر ہوا کہ رو رو کر اُس کی داڑھی تر ہو گئی۔ پادریوں کے رونے سے اُن کے مصاحف بھی تر ہو گے۔ نجاشی نے کہا: اللہ کی قسم! یہ کلام اور جو کچھ عیسیٰ علیہ السلام لے کر آئے تھے وہ دونوں ایک ہی سر چشمہ سے نکلتے ہیں۔ دونوں سفیروں کو وہاں سے نکال دیا اور مہاجرین کو واپس کرنے سے انکار کر دیا۔ [۱۴]

جن افراد نے ہجرت حبشہ کی تھی وہ صرف غریب اور لاچار لوگ ہی نہ تھے، بلکہ ان میں مکہ کے سردار، اپنے قبیلوں کے باوقار اور بااثر افراد بھی تھے۔ ان میں حضرت عثمان، حضرت صفیہؓ، حضرت مصعب بن عمیرؓ، حضرت زبیر بن العوامؓ وغیرہ شامل تھے۔ جہاں تک حضرت جعفرؓ کی بات ہے تو ان کو مکہ میں کسی قسم کی پریشانی نہ تھی۔ ان کے والد جناب ابو طالب مکہ کے سرداروں میں سے تھے۔ اس وجہ سے ان کی اولاد کو کوئی گزند نہیں پہنچا سکتا تھا۔ مگر ہجرت کا اصل مقصد اسلام کی اشاعت کے لیے ایک اور مرکز کا قیام تھا۔ اس میں حضرت جعفرؓ نے بھرپور کردار ادا کیا۔ سید قطب نے اپنی تفسیر 'فی ظلال القرآن' میں لکھا ہے: "**كان بحث الرسول صلى الله عليه وسلم عن قاعدةٍ أخرى غير مَكة**"۔ [۱۵] (رسول اللہ ﷺ مکہ کے علاوہ ایک اور مرکز کا قیام چاہتے تھے۔)

ڈاکٹر محمود احمد غازی لکھتے ہیں:

> "ہجرتِ حبشہ اگرچہ مظلوم صحابہ کے لیے تحفظ کا باعث بنی، لیکن امر واقعہ یہ ہے کہ جو حضرات ہجرت کر کے حبشہ گئے تھے، ان میں کئی ایسے نمایاں افراد بھی تھے جو یقیناً مظلومین میں سے نہیں تھے۔ حضرت جعفر طیارؓ، عبد المطلب کے پوتے اور سردار ابو طالب کے صاحب زادے تھے اور قبیلۂ بنی ہاشم کے سرکردہ افراد میں سے تھے۔ ان کا شمار بھی مظلومین مکہ میں نہیں تھا۔ گویا حبشہ کے انتخاب پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک متبادل دار الہجرت کی

تلاش شروع کر رکھی تھی اور حبشہ کے دارالہجرت بننے کے امکانات کا جائزہ لینے کے لیے صفِ اول کے کچھ جید صحابہ بھی حبشہ گئے تھے، تاکہ جائزہ لے سکیں کہ حبشہ ہجرت بننے کے لیے موزوں جگہ ہے کہ نہیں؟ ان قائدین میں عثمان بن عفان، عبدالرحمان بن عوف اور حذیفہ بن عتبہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین شامل تھے۔'' ۱۶؎

شاہِ حبشہ نے مسلمانوں کو اپنے ملک میں آزادانہ طور پر رہنے کی اجازت دی، جس سے رسول اللہ ﷺ کے ایک دوسرے مرکز کے قیام کی خواہش پوری ہوگئی۔ مسلمان وہاں پر اپنی عبادات بجالاتے اور اسلام کی تبلیغ بھی کرتے تھے۔

ڈاکٹر محمد حمید اللہؒ فرماتے ہیں:

''کتب سیرت سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ مہاجر مسلمانوں نے حبشہ کے مقامی باشندوں کو اسلام کی دعوت دینی شروع کر دی تھی۔ چنانچہ ان کی دعوتی سرگرمیوں کے نتیجہ میں چالیس پچاس حبشیوں نے اسلام قبول کرلیا تھا۔'' ۱۷؎

حضرت زبیر بن العوامؓ

حضرت زبیرؓ کا شمار جلیل القدر صحابہ کرام میں ہوتا ہے۔ آپ پندرہ (۱۵) برس کی عمر میں مسلمان ہوئے۔ رسول اللہ ﷺ نے آپؓ کو اپنا حواری کہا ہے۔ صحیح بخاری میں ہے:

إِنَّ لِكُلِّ نَبِيٍّ حَوَارِيًّا، وَإِنَّ حَوَارِيَّ الزُّبَيْرُ۔ ۱۸؎

(بے شک ہر نبی کا ایک مددگار ہوتا ہے اور میرے مددگار زبیرؓ ہیں۔)

جب حضرت زبیرؓ نے اسلام قبول کیا تو دوسرے مسلمانوں کی طرح آپ کو بھی تکالیف کا سامنا کرنا پڑا۔ اسلام قبول کرنے کی پاداش میں آپ کو سخت اذیت دی جاتی۔ مگر جذبۂ ایمانی میں کبھی لغزش نہ آئی۔ آپ کا چچا چٹائی میں لپیٹ کر دھواں دیا کرتا اور کہتا: اسلام ترک کر دو، مگر آپ ڈٹے رہتے۔ ۱۹؎

روایات میں ہے کہ جب آپ اسلام قبول کر کے نکلے تو راستے میں ابوالبختری

عاص بن ہشام سے ملاقات ہوئی۔اس نے کہا کہ کیا تم نے اسلام قبول کرلیا ہے؟ آپ نے فرمایا: ہاں۔ اس پر ابوالبختری نے کہا: ہم تمھیں قرار سے نہیں رہنے دیں گے۔تم ہمارے آباء و اجداد کے دین سے الگ ہو رہے ہو اور ہمارے معبودوں کو برا بھلا کہنا چاہتے ہو۔حضرت زبیرؓ نے فرمایا:

"اصْنَعْ مَا بَدَا لَکَ فَإِنَّمَا تَعْبُدُونَ حَجَرًا لا یَسْمَعُ وَلا یُبْصِرُ، وَلا یَنْفَعُ وَلا یَضُرُّ"۔۲۰؎

(تم جو چاہو کرو۔ بے شک تم ایسے پتھروں کی پوجا کرتے ہو جو نہ سن سکتے ہیں، نہ دیکھ سکتے ہیں اور نفع ونقصان بھی نہیں پہنچا سکتے۔)

حضرت زبیرؓ کو یہ شرف بھی حاصل ہے کہ حمیتِ اسلام اور رسول اللہ ﷺ کی حفاظت کے لیے اسلام میں سب سے پہلے تلوار لے کر نکلے۔۲۱؎ کتبِ سیرت میں منقول ہے کہ ایک مرتبہ آپؓ نے خواب دیکھا کہ رسول اللہ ﷺ کو پکڑ لیا گیا ہے اور آپؐ اس وقت مکہ کی کسی بلند جگہ پر تشریف فرما ہیں۔آنکھ کھلتے ہی تلوار لے کر لوگوں کو ہٹاتے ادھر پہنچ گے۔رسول اللہ ﷺ نے دریافت فرمایا: زبیر! کیا ہوا؟ انھوں نے خواب بتایا تو آپؐ نے ان کے لیے اور اُن کی تلوار کے لیے دعا فرمائی۔ ۲۳؎

حضرت سعد بن اَبی وقاصؓ

ایک مرتبہ حضرت سعد بن اَبی وقاصؓ اپنے چند ساتھیوں کے ساتھ مکہ کی ایک گھاٹی میں نماز ادا کر رہے تھے کہ کفار کا ایک گروہ اُدھر آ گیا۔اُنھوں نے برا بھلا کہنے کے ساتھ لڑائی شروع کردی۔حضرت سعد بن اَبی وقاصؓ کو غصہ آ گیا۔انھوں نے اونٹ کی ایک ہڈی اٹھا کر مشرکین کے ایک فرد کو مار کر زخمی کر دیا۔قبولِ اسلام کے وقت وہ اُنیس (۱۹) برس کے تھے۔

سیرت حلبیہ کی روایت کے مطابق جب حضرت عمر فاروقؓ مشرکین کے اُبھارنے پر اسلام اور داعی اسلام کو مٹانے کے لیے نکلے تو راستے میں حضرت سعد بن اَبی وقاصؓ سے ان کی ملاقات ہوگئی۔ پوچھنے پر انھوں نے کہا کہ میں (نعوذ باللہ) محمد

(ﷺ) کو قتل کرنے جا رہا ہوں۔ سعد بن اَبی وقاصؓ: نے کہا ایسا کرنے کی صورت میں کیا تمہیں بنو عبد مناف زمین پر زندہ رہنے دیں گے؟ انھوں نے کہا: لگتا ہے، تم بھی صابی ہو گئے ہو۔ اس پر دونوں میں تکرار شروع ہو گئی اور دونوں نے اپنی اپنی تلوار سونت لی ''**فَسلّ عمرُ سَیفَه و سَلّ سَعد سَیفَه، و شدّ کُل مِّنهما علی الآخَرِ حَتی کَادَا أَن یختَلِطَا**''۔ ۲۷ (عمرؓ اور سعدؓ نے تلواریں نکال لیں۔ ایک دوسرے سے اتنے غصے میں ہوئے کہ قریب تھا کہ لڑ پڑتے۔)

یہ ایک مسلمہ حقیقت تھی کہ جب کوئی شخص اسلام کا گرویدہ ہو جاتا تو مشکل سے مشکل حالات بھی اس کو اسلام سے دور نہ کر سکتے تھے۔ اسی طرح حضرت سعدؓ بن اَبی وقاص کے ساتھ پیش آیا۔ جب ان کی والدہ کو معلوم ہوا کہ انھوں نے اسلام قبول کر لیا ہے تو قسم کھا، کہ اُس وقت تک نہ کھائے گی نہ پیے گی جب تک اس کا کہ بیٹا اسلام کو ترک نہیں کر دیتا۔ ایک روایت کے مطابق ایک دن ورات کچھ نہ کھایا پیا تو دوسرے دن بے ہوش ہو گئی۔ حضرت سعدؓ فرماتے ہیں: جب میں نے اپنی ماں کی یہ حالت دیکھی تو صاف الفاظ میں ان سے کہہ دیا:

> ''اللہ کی قسم، اے ماں! تو جان لے، اگر تیری سو جانیں بھی ہوں اور ایک ایک کر کے نکل جائیں تو بھی میں اس نبی کے دین کو نہیں چھوڑوں گا۔ تیری مرضی، کھائے یا نہ کھائے۔'' ۲۴

جب ماں نے یہ معاملہ دیکھا تو کھانا شروع کر دیا۔ اس دور میں والدین کی نافرمانی بہت بڑا عار سمجھا جاتا تھا۔ جب کوئی قسم کھالیتا تو اس کو ضرور پورا کرواتا تھا۔ لیکن حضرت سعدؓ نے اس کی مطلق پروا نہیں کی۔ ڈاکٹر رؤوف شلبی اس واقعہ کو نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

> ''**لقَد کَانَ رُوحانیةُ سعدٍ أَکبرُ مِن تقَالیدِ المجتَمعِ ورُوحَانِیة المعَانی القدیمةِ لِلأُسرَة**''۔ ۲۵
>
> (حضرت سعدؓ کی روحانیت سماجی روایات اور قدیم خاندانی نظام سے زیادہ مضبوط تھی۔)

حضرت سعید بن زیدؓ

آپؓ کا شمار عشرہ مبشرہ میں ہوتا ہے۔آپ حضرت عمر فاروقؓ کے بہنوئی تھے۔ اسلام قبول کرنے کے وقت آپؓ کی عمر مبارک دس (۱۰) یا گیارہ (۱۱) برس تھی۔آپؓ قرآن مجید کی تلاوت بڑے اہتمام اور کثرت سے کرتے تھے۔ جب عمر آپ کے گھر آئے تو اس وقت بھی آپؓ اور آپ کی زوجہ قرآن مجید کی تلاوت کر رہے تھے۔عمر نے ان کے گھر پہنچ کر کہا: جو کچھ پڑھ رہے تھے نکالو۔ جب تک اسے ظاہر نہیں کرو گے یہاں سے نہیں جاؤں گا۔حضرت سعید بن زیدؓ نے بڑی بہادری سے فرمایا:

''إِنَّکَ لَا تَستَطِیعُ اَن تَجمعَ النَاسَ علٰی هَواکَ یَا عُمرُ وَإن کَان الحَقُّ سِواه''۔۲۶

(اے عمر! آپ اتنی طاقت نہیں رکھتے کہ اپنی خواہش پر لوگوں کو جمع کر لیں،اگرچہ حق کچھ اور ہو۔)

یہ سن کر عمر نے حضرت سعید بن زیدؓ کو طمانچہ رسید کیا۔ان کو بچانے کے لیے حضرت فاطمہؓ بن خطاب آگے بڑھیں تو عمر انہیں بھی زور سے طمانچہ رسید کر دیا،جس سے ان کے منھ سے خون نکل آیا۔اس پر دونوں میاں بیوی برملا بول پڑے: ''ہاں ہم مسلمان ہو چکے ہیں اور اللہ اور اس کے رسول ﷺ پر ایمان لا چکے ہیں۔تمھیں جو کرنا ہے کرلو''۔۲۷

یہ سنتے ہی عمر کے دل کی دنیا بدلنا شروع ہوگئی۔انھوں نے شرمندگی کا اظہار کیا اور کہا: جو کچھ تم لوگ پڑھ رہے تھے وہ لاؤ۔ بالآخر انھوں نے اسلام قبول کرلیا۔

حضرت عمر بن خطابؓ

حضرت عمر بن خطابؓ کے اسلام قبول کرتے ہی صورتِ حال بدل گئی۔ مسلمانوں کی ذہنی کیفیت تبدیل گئی۔انھوں نے نعرۂ تکبیر بلند کیا۔۲۸

مکہ کے مشکل ترین ماحول میں اسلام کی اشاعت کرنا اور کھلے عام دعوتِ دین دینا بہت کٹھن امر تھا۔مسلمان عبادت بھی چھپ کر کیا کرتے تھے۔مگر جب حضرت عمر فاروقؓ نے اسلام قبول کیا تو انھوں نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا: اے اللہ کے

رسول ﷺ کیا ہم حق پر نہیں ہیں؟ کیا ہماری موت اور زندگی حق سے وابستہ نہیں ہے؟ نبی ﷺ نے جواب دیا: "ہاں، کیوں نہیں، اللہ کی قسم، بلا شبہ تم زندہ رہو یا موت آ جائے تم حق پر رہو۔" اس پر سیدنا عمرؓ نے کہا: "تو پھر چھپ کر رہنے کا کیا مطلب؟ اللہ کی قسم، جس نے آپ ؐ کو حق کے ساتھ بھیجا ہے، آج آپ کھل کر سامنے آجائیں۔" اس دن نبی ﷺ نے سیدنا عمرؓ کو 'فاروق' کا لقب عطا فرمایا۔۲۹؎

حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں: **مَا زِلْنَا أَعِزَّةً مُنْذُ أَسْلَمَ عُمَرُ**۔ ۳۵؎ "جب سے عمر نے اسلام قبول کیا ہم طاقت ہو گئے۔" دوسری روایت میں فرماتے ہیں: "جب تک حضرت عمرؓ نے اسلام قبول نہ کیا تھا، ہمیں کعبہ کے پاس نماز پڑھنے کی طاقت نہ تھی، لیکن جب آپؓ اسلام لائے تو قریش سے لڑائی کی اور کعبہ کے پاس نماز پڑھی۔ ہم نے بھی ان کے ساتھ نماز پڑھی"۔ ۳۱؎

روایات میں ہے کہ جب بھی کوئی شخص حضرت عمرؓ سے یہ کہتا کہ تم صابی ہو گئے ہو تو وہ فوراً بول اٹھتے: "تو جھوٹا ہے بلکہ میں تو اس اللہ پر ایمان لایا ہوں جو ایک ہے اس کا کوئی شریک نہیں، میں لات، عُزیٰ اور دوسرے بتوں سے بری ہوں اور میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں"۔ ۳۷؎

جب حضرت عمر فاروقؓ کے اسلام قبول کرنے کے بعد یہ حال ہو گیا تھا کہ جو شخص بھی کسی مسلمان پر ظلم کرتا تو مسلمان اس کا بدلہ لیتے تھے۔ ایک دن ابن الأصداء اور ابن الغیطلہ نے حضرت صہیب رومیؓ کو پکڑ لیا اور ان کی گردن میں چادر ڈال کر گھسیٹا جس سے وہ بے ہوش ہو گئے۔ ہوش میں آ کر انھوں نے حضرت عمر فاروقؓ کو بتایا تو وہ حضرت سعد بن أبی وقاص اور حضرت طلیب بن عمیرؓ کو ساتھ لے کر نکل کھڑے ہوئے، یہاں تک کہ ابن الأصداء کو پکڑ لیا اور اُسی کی چادر کے سے اس کا گلا دبایا، یہاں تک کہ وہ بے ہوش ہو گیا۔ ۳۳؎

حضرت علیؓ بن ابی طالبؓ

آپؓ کو یہ شرف حاصل ہے کہ مکہ کے ماحول میں لکھنا پڑھنا جانتے

تھے۔آپ نے رسول اللہ ﷺ کے گھر میں رہ کر پرورش پائی تھی۔ آپ (۸) یا دس (۱۰) برس کی عمر میں ہی مسلمان ہو گئے تھے۔ڈاکٹر محمد علی الصلابی لکھتے ہیں:

''حضرت علیؓ مکہ مکرمہ کے اُمی معاشرے کی ان ممتاز شخصیتوں میں سے تھے جو لکھنا پڑھنا جانتے تھے۔ یہ بچپن سے ہی علم سے ان کی محبت اور شغف کی دلیل ہے۔اللہ تعالیٰ نے اپنا یہ لطف و کرم ان کے لیے بچپن ہی سے مقدر فرما دیا کہ وہ کاشانۂ نبوت ہی میں رسول اللہ ﷺ کے زیر سایہ زندگی بسر کریں۔ اسلام قبول کرنے کے بعد آپ پر رسول اللہ ﷺ کی عنایات میں مزید اضافہ ہو گیا۔آپؐ نے ان کی بڑی حوصلہ افزائی فرمائی۔ اس طرح ان کی شخصیت پر رسالت مآب ﷺ کی بے مثل شخصیت کا بڑا گہرا اثر پڑا۔ اسی وجہ سے ان کی صلاحیتیں بیدار ہوتی چلی گئیں، ان کا قلب نہایت پاکیزہ ہو گیا، ان کی عقل منور ہو گئی، ان میں اعلیٰ درجے کی روحانی بصیرت پیدا ہو گئی اور وہ دینی تہذیب کا درخشاں نمونہ اور نمائندہ بن گیے''۔ ۳۴؎

ابتدائے اسلام میں جب رسول اللہ ﷺ مکہ کی گھاٹیوں میں جا کر نماز ادا کرتے تھے تو حضرت علیؓ بھی ساتھ جاتے اور نماز ادا کرتے تھے۔ایک مرتبہ جناب ابو طالب کا اچانک ادھر سے گزر ہوا تو علیؓ سے پوچھا: یہ کون سا دین ہے؟ اس پر آپؓ نے جواب دیا'' اے میرے ابا جان! میں اللہ پر اور اس کے رسول ﷺ پر ایمان لے آیا ہوں اور جو یہ لے کر آئے ہیں اس کو سچا جانا ہے، ان کے ساتھ اللہ کے لیے نماز ادا کی ہے اور ان کی پیروی کی ہے''۔ ۳۵؎

حضرت ابوذر غفاریؓ کے اسلام قبول کرنے میں حضرت علیؓ نے اہم کردار ادا کیا۔ پہلے تو بطور مہمان انھیں گھر ٹھہراتے رہے۔ پھر جب انھوں نے دل کی بات کا اظہار کیا تو انھیں بہت اچھے انداز میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں پیش کر دیا۔ اس وقت مکہ میں ہر طرف مشرکین پھیلے ہوئے تھے اور نہ صرف ایمان لانے والوں کو، بلکہ ان سے تعلق رکھنے والے کو بھی ستاتے تھے۔آپؓ نے حضرت ابوذر غفاریؓ کو ان کفارو

مشرکین سے بچا کر اسلام قبول کرنے کی طرف رہنمائی فرمائی۔

قریش نے دارالندوہ میں جمع ہو کر اسلام کا قلع قمع کرنے کا فیصلہ کرلیا، اللہ تعالیٰ کے حکم سے رسول اللہ ﷺ نے ہجرت مدینہ کا ارادہ فرما لیا۔ دانائی کی بات یہ تھی کہ رات کو رسول اللہ ﷺ کے بستر پر کسی کا ہونا ضروری ہے، تاکہ قریش کو ہجرت کے بارے میں معلوم ہی نہ ہو سکے۔ اس کے لیے آپؐ نے حضرت علیؓ کا انتخاب کیا۔ اوران کو اس رات اپنے بستر پر سونے کا حکم دیا۔ ۳۶؎

اتنی جان نثاری کا کام کوئی عام آدمی نہیں کرسکتا تھا، جب کہ کفار و مشرکین اللہ کے رسول ﷺ کا گھر گھیرے ہوئے تھے اور وہ رات میں کسی وقت بھی حملہ کر سکتے تھے۔ اتنی بہادری کا ثبوت وہی دے سکتا ہے جو بہت زیادہ نڈر ہو۔

حضرت مصعب بن عمیرؓ

حضرت مصعب بن عمیرؓ کا تعلق مکہ کے تعلیم یافتہ افراد سے تھا۔ آپ مکہ کے خوب صورت نوجوان تھے۔ سیرت ابن اسحاق میں ہے کہ مصعب بن عمیرؓ مکہ کے نازو نعم والے نوجوان تھے۔ ۳۷؎ قبول اسلام کے وقت آپ کی عمر پچیس (۲۵) سے اٹھائیس (۲۸) برس کے درمیان تھی۔ بلاذریؒ نے آپ کی مکی زندگی کے حوالے سے رسول اللہ ﷺ کے شان دار الفاظ نقل فرماتے ہیں: ’’سب تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں، میں نے دیکھا کہ مکہ میں ان سے بڑھ کر کوئی نوجوان بھی اپنے والدین کے ہاں ناز ونعمت سے پلنے والا نہیں تھا۔ پھر نیکی کی رغبت اور اللہ اوراس کے رسول ﷺ کی محبت نے انہیں اُس سے نکال دیا۔ ۳۸؎

بیعت عقبہ اولیٰ کے موقع پر ایمان لانے والے یثرب کے لوگوں نے رسول اللہ ﷺ سے خواہش کی کہ ان کے ساتھ کسی ایسے فرد کو کر دیں جو انہیں دین سمجھائے اور قرآن کی تعلیم دے۔ آپؐ نے ان کے ساتھ حضرت مصعب بن عمیر کو بھیج دیا۔ ۳۹؎

آپ نے یثرب (مدینہ) میں آ کر وہاں کے لوگوں کو باقاعدہ اسلام کی دعوت دینا شروع کی۔ آپؓ حضرت اسعد بن زُرارہؓ کے مہمان بنے وہ آپؓ کو مختلف قبائل

میں لے جاتے اور انہیں اسلام کی دعوت دیتے۔ کچھ عرصہ تک فرداً فرداً دعوت دینے کا عمل جاری رہا۔ پھر رسول اللہ ﷺ سے اجازت لی کہ قبائل کو اکھٹے دعوت دی جائے۔ آپؐ نے اجازت مرحمت فرمائی۔ ۴۵؎

آپ کو یہ شرف بھی حاصل ہے کہ آپ کے ذریعہ مدینہ میں اسلام کی اتنی اشاعت ہوگئی کہ رسول اللہ ﷺ نے اہلِ مدینہ کونماز جمعہ کی ادائیگی کا حکم فرمایا تھا۔ ۴۱؎

آپ کی کوششوں سے تقریباً ایک سال کے عرصے میں بڑی تعداد میں لوگوں نے اسلام قبول کرلیا تھا۔ بلاذریؒ کی روایت کے مطابق آپ اوس وخزرج کے ستر (۷۰) افراد کو لے کر رسول اللہ ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہوئے۔ ۴۲؎

حضرت خباب بن الارتؓ

جب آپؓ نے اسلام قبول کیا تو آپ کو سخت اذیت دی جاتی تھی۔ اس پر بھی آپ نے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کا دامن نہیں چھوڑا۔ اور اسلام پر قائم رہے۔ آپؓ خود فرماتے ہیں کہ مجھے عاص بن وائل سہمی کو قرض واپس کرنا تھا۔ جب اسے قرض لوٹانے گیا تو اُس نے پکڑ لیا اور کہنے لگا: میں تجھے اُس وقت تک نہیں چھوڑوں گا جب تک کفر پر نہ لوٹ آئے۔ آپؓ نے جواب دیا: ''لَنْ أَكْفُرَ حَتَّى تَمُوتَ وَتُبْعَثَ''۔ ۴۴؎ (تو مر کر دوبارہ زندہ ہوجائے تب بھی میں کفر کو اختیار نہیں کرسکتا۔)

جب حضرت عمر فاروقؓ اپنی بہن حضرت فاطمہ بنت خطابؓ کے گھر اسلام قبول کرنے کی طرف مائل ہوئے، اس وقت حضرت خبابؓ وہاں موجود تھے اور حضرت فاطمہؓ اور ان کے شوہر حضرت سعید بن زیدؓ کو سورہ طٰہٰ اور سورہ تکویر کی تعلیم دے رہے تھے۔ ۴۵؎

حضرت صہیب بن سنان رومیؓ

ایک مرتبہ آپؓ اور حضرت عمار بن یاسرؓ حرم پاک سے گزر رہے تھے۔ وہاں پر مشرکین بھی بیٹھے ہوئے تھے۔ انہوں نے مذاق اُڑایا تو آپؓ نے منہ توڑ جواب دیا اور فرمایا:

''نحنُ جُلسائُ نبیِ اللہ، آمَنّا و کَفرتُم، و صَدّقناہ و کَذّبتُموہ ولا

خَسِیسۃَ مَعَ الإِسلامِ وَلاَ عِزِ مَعَ الشِّرک"۔[۴۶]

(ہم اللہ کے نبی کے ہم نشیں ہیں۔ آپؐ پر ایمان لائے ہیں، جب کہ تم نے کفر کیا ہے۔ ہم نے اُن (رسول اللہ ﷺ) کو سچا مانا ہے، جب کہ تم نے جھٹلایا ہے۔ اسلام کے ساتھ کوئی ذلت نہیں اور شرک کے ساتھ کوئی عزت نہیں۔)

حضرت صہیبؓ کو بہت سخت اذیت دی جاتی تھی۔ انھیں جسم پر لوہے کی زرہ پہنا کر دھوپ میں لٹا دیا جاتا اور کفر کی طرف لوٹنے کو کہا جاتا۔ اذیت اتنی سخت ہوتی تھی کہ بے ہوشی میں یہ بھی معلوم نہ ہو پاتا کہ کیا بول رہے ہیں؟[۴۷] لیکن ان کے پائے ثبات میں ذرا بھی لرزش نہ آئی۔

حضرت عامر بن فہیرہؓ

آپؓ حضرت ابو بکر صدیقؓ کے آزاد کردہ غلام تھے اور آپؓ کی بکریاں چرایا کرتے تھے۔ جب رسول اللہ ﷺ نے ہجرت کا ارادہ فرمایا اور آپؐ کے ساتھ حضرت ابو بکر صدیقؓ نے غارِ ثور میں قیام فرمایا تو ان کو حکم تھا کہ دن کو غارِ ثور کے ارد گرد بکریاں چرائیں اور رات کو غار کے دہانے پر لے آئیں، تا کہ بکریوں کا دودھ لیا جا سکے۔[۴۸]

خلاصۂ بحث

مکی دورِ نبوی اسلام کے لیے بڑا کٹھن تھا۔ اس دور میں رسول اللہ ﷺ نے خود اور صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے بھی ان مصائب کا سامنا کیا۔ آپؐ نے دار ارقم میں صحابۂ کرام کو ہر جہت سے تیار فرمایا۔ اسلام کی اشاعت میں تمام صحابۂ کرام، بالخصوص نوجوان صحابہ نے اہم کردار ادا کیا۔ جوانی کی عمر میں عیش و عشرت اور آرام و آسائش مرعوب ہوتی ہے، مگر انھوں نے ان تمام چیزوں کو ٹھکرا کر اسلام کی اشاعت میں بھرپور کردار ادا کیا۔ قرآن کی تعلیم، حدیث کی اشاعت، اُسوۂ رسول ﷺ کی پیروی اور دعوتِ دین وغیرہ میں انھوں نے اپنی طاقت سے بڑھ کر کام کیا۔ اس طرح انھوں نے رہتی دنیا کے لیے مسلمانوں کو یہ رہ نمائی فراہم کی کہ ماحول

جیسا بھی ہو، اشاعتِ اسلام سے کبھی پیچھے نہیں ہٹنا چاہیے۔ انھوں نے اسلام کی راہ میں بہت تکالیف برداشت کیں، مگر استقامت کا ثبوت دیا۔ رضی اللہ عنہم

حواشی ومراجع

۱۔ ابن عطیہ، عبدالحق بن غالب، المحرر الوجیز فی تفسیر الکتاب العزیز، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، ۱۴۲۲ھ، ج ۳، ص ۵۲۷

۲۔ قرطبی، محمد بن احمد، الجامع لاحکام القرآن، دار الکتب المصریہ، القاہرہ، ۱۹۶۴ء، ج ۹، ص ۱۷۶

۳۔ ابن عابدین، محمد امین بن عمر، ردالمحتار علی الدر المختار، دار الفکر، بیروت، ۱۹۹۲ء، ج ۳، ص ۲۰۰

۴۔ عینی، محمود بن احمد، البنایۃ شرح الھدایۃ، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، ۱۴۲۰ھ، ج ۱۳، ص ۴۷۴

۵۔ ابوداؤد، سلیمان بن الاشعث، سُنن ابی داؤد، حدیث ۲۹۵۷

۶۔ خطابی، حمد بن محمد، معالم فی السنن، المطبعۃ العلمیۃ، حلب، ۱۹۳۲ء، ج ۳، ص ۳۱۰

۷۔ نووی، یحییٰ بن شرف، المنہاج شرح مسلم بن الحجاج، دار احیاء التراث العربی، بیروت، ۱۳۹۲ھ، ج ۹، ص ۱۷۳ المُسنن، المطبعۃ العلمیۃ، حلب، ۱۹۳۲ء، ج ۳، ص ۳۱۰

۸۔ علاء الدین علی بن سلیمان، الانصاف فی معرفۃ الراجح من الخلاف، ہجر للطباعۃ والنشر، مصر، ۱۹۹۵ء، ج ۱۶، ص ۵۱۱

۹۔ اب دار ارقم 'دار الخیز ران' سے مشہور ہے۔ یہ کوہِ صفا کے پاس ہے۔ عباسی خلیفہ منصور نے اسے خریدا اور اپنے بیٹے مہدی کو دے دیا تھا۔ مہدی نے اسے اپنی بیوی خیزران کو دے دیا تھا۔ حلبی، علی بن ابراہیم، السیرۃ الحلبیۃ، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۷ھ، ج ۱، ص ۴۰۲

۱۰۔ ملا علی قاری، علی بن محمد، شرح الشفاء، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، ۱۴۲۱ھ، ج ۲، ص ۹۸

۱۱۔ احمد غلوش، السیرۃ النبویۃ والدعوۃ فی العہد المکی، مؤسسۃ الرسالۃ، بیروت ۲۰۰۳ء، ص ۴۵۶

۱۲۔ السیرۃ الحلبیۃ، ج ۱، ص ۴۰۲

۱۳۔ ابن ہشام، عبدالملک بن ہشام، السیرۃ النبویۃ لابن ہشام، مصر: شرکۃ مکتبہ، ۱۹۹۵ء، ج ۱، ص ۳۳۶

۱۴۔ السیرۃ النبویۃ، ابن ہشام، ج ۱، ص ۳۳۶

۱۵۔ سید قطب، فی ظلال القرآن، دار الشروق، ۱۴۱۲ھ، بیروت، ج ۱، ص ۲۹

۱۶۔ غازی، محمود احمد، ڈاکٹر، محاضراتِ سیرت، الفیصل ناشران کتب، لاہور، ۲۰۰۹ء، ص ۲۴۷

۱۷۔ محمد حمید اللہ، ڈاکٹر، خطبات بہاولپور، ادارہ تحقیقاتِ اسلامی، س ن، اسلام آباد، ص ۲۰۸

۱۸۔ بخاری، محمد بن اِسماعیل، الجامع الصحیح، حدیث ۴۱۱۳
۱۹۔ اَصبھانی، اَحمد بن عبداللہ، معرفۃ الصحابہ، دارالوطن للنشر، ریاض، ۱۹۹۸ء، حدیث ۴۱۳
۲۰۔ بلاذری، اَحمد بن یحیی، اَنساب الاَشراف، دارالفکر، بیروت، ۱۹۹۶ء، ج۹، ص۴۲۱
۲۱۔ طبری، احمد بن عبداللہ، الریاض النضرۃ فی مناقب العشرۃ، دارالکتب العلمیۃ، س ن، بیروت، ج۴، ص۲۷۴
۲۲۔ قرطبی، یوسف بن عبداللہ، ال اِستیعاب فی معرفۃ الاَصحاب، دارالجیل، بیروت، ۱۴۱۲ھ)، ج۲، ص۵۱۱
۲۳۔ سہیلی، عبدالرحمن بن عبداللہ، الروض الآنف فی شرح السیرۃ النبویۃ، دار اِحیاء التراث العربی، بیروت، ۱۴۱۲ھ، ج۳، ص۴۳
۲۴۔ السیرۃ الحلبیۃ، ج۱، ص۲۹۴
۲۵۔ رئوف شلبی، ڈاکٹر، الدعوۃ ال اِسلامیۃ فی عہدہا المکی: مناہجہا وغایاتہا، دارالقلم، س ن، بیروت، ص۲۰۲
۲۶۔ السیرۃ الحلبیۃ، ج۱، ص۴۷۰
۲۷۔ سیرۃ ابن اِسحاق، ج۱، ص۱۸۲
۲۸۔ انساب الاَشراف، ج۱۰، ص۲۸۹
۲۹۔ اصبہانی، اَحمد بن عبداللہ، حلیۃ الاَولیاء وطبقات الاَصفیاء، دارالکتاب العربی، بیروت، ۱۴۰۵ھ، ج۱، ص۴۰
۳۰۔ اَحمد بن حنبل، فضائل الصحابۃ، مؤسسۃ الرسالۃ، بیروت، ۱۹۸۳ء، حدیث ۳۶۸
۳۱۔ صلابی، سیرت عمر فاروق، مترجم: ندیم شہباز، سعودی عرب: دارالسلام، س ن، ج۱، ص ۶۴۔۶۵ ج۱، ص۶۵
۳۲۔ صلابی، سیرت عمر فاروق، ج۱، ص۶۶
۳۳۔ بلاذری، انساب الاَشراف، ج۱۰، ص۲۸۹
۳۴۔ صلابی، سیدنا علیؓ، ص۱۱۰
۳۵۔ ال اِستیعاب، ابن عبدالبر ج۳، ص۱۰۸۹
۳۶۔ قحطانی، سعید بن علی، الحکمۃ فی الدعوۃ اِلی اللہ تعالی، وزارۃ الشئون ال اِسلامیہ، س ن، سعودی عرب، ص۲۳۵
۳۷۔ سیرۃ ابن اِسحاق، ج۱، ص۱۹۳
۳۸۔ انساب الاَشراف، ج۹، ص۲۰۶
۳۹۔ حوالۂ سابق، ج۹، ص۲۰۶
۴۰۔ ال اِستیعاب، ابن عبدالبر قرطبی ج۳، ص۱۰۸۹
۴۱۔ قرطبی، ال اِستیعاب، ج۳، ص۱۰۸۹
۴۲۔ انساب الاَشراف، ج۹، س۴۰۷
۴۳۔ ال اِستیعاب، ابن عبدالبر، ج۴، ص۱۴۷۳
۴۴۔ بلاذری، انساب الاَشراف، ج۱، ص۱۷۶
۴۵۔ سیرۃ ابن اِسحاق، ج۱، ص۱۸۲
۴۶۔ ذہبی، محمد بن احمد، سیر اَعلام النبلاء، دارالحدیث، القاہرہ، ۱۴۲۷ھ، ج۳، ص۳۵۱
۴۷۔ السیرۃ النبویۃ، ابن ہشام، ج۱، ص۴۸۵
۴۸۔ انساب الاَشراف، ج۱، ص۲۶۰

مولانا محمد سالم قاسمی رحمہ اللہ

(اتحادِ امت کے داعی)

سید جلال الدین عمری

(حضرت مولانا محمد سالم قاسمیؒ کی حیات وخدمات پر ایک بین الاقوامی سمینار ۲۹/۳۰/ذی قعدہ ۱۴۳۹ھ مطابق ۱۲/۱۳/اگست ۲۰۱۸ء بروز یکشنبہ ودوشنبہ منعقد ہوا۔ اس میں اس خاک سار نے بھی شرکت کی اور پہلے ہی دن اپنا مختصر مضمون پیش کیا۔ اب حذف واضافہ اور بعض ~~تفصیلات کے ساتھ یہ~~ مضمون یہاں اشاعت کے لیے دیا جارہا ہے۔)

یہ خاک سار محترم جناب مولانا ابوسفیان قاسمی کا شکر گزار ہے کہ انہوں نے اس عظیم اور برموقع اس سمینار میں شرکت کی دعوت دی، جس میں حضرت مولانا محمد سالم قاسمیؒ کے افکار، ان کی علمی کاوشیں، ملی اور ملکی خدمات پر تفصیل سے اظہار خیال ہوگا۔ اس میں حاضری میرے لیے باعث سعادت ہے۔

مولانا محمد سالم قاسمی مرحوم ملت کا بہت بڑا سرمایہ تھے۔ ان کی رحلت سے ملت کو جو خسارہ اٹھانا پڑا ہے، دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کی تلافی فرمائے۔

اس مجلس میں بڑی تعداد مولانا کے تلامذہ اور ان اصحاب کی ہے، جنہوں نے مولانا مرحوم سے براہ راست یا بالواسطہ اکتسابِ فیض کیا ہے۔ پورے ملک میں اور ملک سے باہر بھی مولانا کے تلامذہ اور منتسبین کا وسیع حلقہ ہے۔ انہیں مولانا کی شخصیت اور خدمات پر اظہار خیال کا مجھ سے زیادہ استحقاق ہے۔ امید ہے وہ اس مجلس میں یا اس کے بعد اپنا فرض ادا کریں گے۔

اب ہمارے تعلقات کی داستان سنیے:

مولانا کے برادرخورد ڈاکٹر محمد اعظم قاسمی علی گڑھ کے شعبہ اسلامیات سے وابستہ تھے۔ میرا ان سے ربط ہوا اور رفتہ رفتہ بے تکلفی پیدا ہوگئی۔ بار بار ملاقاتیں رہتی تھیں۔ میں نے ان سے 'سہ ماہی تحقیقات اسلامی'، جو ایک علمی اور تحقیقی مجلہ ہے، کے لیے مضمون کی درخواست کی۔ جسے انہوں نے منظور کرلیا۔ ان کے دو مضامین اس مجلہ میں شائع ہوئے۔ اس وقت تقریباً ۳۵ برس پرانی یادیں صفحہ ذہن پر ابھر رہی ہیں۔ ان ملاقاتوں سے حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی اور خاندان نانوتہ سے براہ راست اسی کے ایک فرد کے ذریعہ سے تعارف حاصل ہوا، جو کتابی تعارف سے زیادہ قیمتی تھا۔

حضرت مولانا محمد سالم قاسمیؒ سے ربط و تعلق کی مدت بیس برس سے زیادہ ہی ہے۔ مجھے خوشی ہے کہ وقت کے ساتھ اس میں اضافہ ہوتا رہا۔

مولانا کی شخصیت میں بڑی کشش تھی۔ یہ کشش سیرت و کردار کی تھی۔ مولانا میں انتہائی خاک ساری اور نرم مزاجی تھی۔ ٹھنڈی طبیعت پائی تھی۔ مشتعل ہونا جیسے جانتے ہی نہ ہوں۔ خطابت میں اپنے والد محترم حضرت مولانا قاری محمد طیبؒ کا رنگ نمایاں تھا۔

حضرت مولانا قاری محمد طیبؒ کی بعض تقاریر میں نے سنی ہیں۔ وہ اتنی ٹھنڈی، مربوط اور منطقی ہوتی تھیں کہ مجمع ہمہ تن گوش ہوجاتا۔ بات میں بات نکالنے کا فن جانتے تھے۔ بغیر زورِ خطابت کے حاضرین کو مسحور کر لیتے۔ اپنے طرز خطاب، نکتہ در نکتہ اندازِ بیان اور پُراثر لب و لہجہ سے مجلس پر چھا جاتے۔ خطیب بہت ہوتے ہیں، لیکن ٹھنڈے خطاب کا یہ جوہر کم ہی لوگوں کو ملتا ہے۔

میری طالب علمی کا دور تھا۔ مولانا کا خطاب تھا۔ اللہ تعالیٰ نے انسان پر جو احسانات کیے ہیں، سورۂ نحل کے آغاز میں ان کا ذکر ہے۔ ان میں سے ایک احسان انعام یا چوپایوں کی شکل میں ہے کہ وہ بار برداری کا کام کرتے ہیں۔ ورنہ انسان کے لیے ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل ہونا آسان نہ تھا۔ اس کے بعد فرمایا: **وَيَخْلُقُ مَا لاَ تَعْلَمُونَ**۔ النحل: ۸۔ اس کی مولانا نے تشریح کی اور بتایا کہ اب جدید سواریاں سامنے آ گئی ہیں۔ سائیکل، موٹر سائیکل، کار، ٹرین اور ہوائی جہاز نے سفر کو آسان کردیا ہے۔

وَ یَخْلُقُ مَا لاَ تَعْلَمُونَ سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ آخری حد نہیں ہے اور بھی جدید ذرائع آمد ورفت اللہ تعالیٰ پیدا فرمائے گا۔ مولانا کا انداز اتنا خوب صورت اور دل نشین تھا کہ اب تک اس کے اثرات دل و دماغ پر مرتسم ہیں۔ حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب کی تصنیفات میں بھی یہ نکتہ سنجی نمایاں ہے۔

مولانا سالم قاسمی کو اپنے والد ماجد کا لب ولہجہ اور طرز کلام وراثت میں ملا تھا۔ ان کی تقریر بہت ہی عالمانہ ہوتی، لیکن انداز بیان بڑا دھیما اور نرم ہوتا، جیسے وہ جذبات سے نہیں، عقل سے اپیل کرتے ہوں۔

مولانا محمد سالم قاسمی مسلم پرسنل لا بورڈ کے نائب صدر تھے۔ اس مناسبت سے مولانا سے قربت رہی۔ مولانا خاموشی سے بحث اور گفتگو سنتے اور ضرورت پر اظہار خیال فرماتے۔ غیر ضروری گفتگو اور بے جا مداخلت سے احتراز فرماتے۔ مولانا کی سنجیدگی ان کی گفتگو کی طرف مجلس کو متوجہ کرتی اور وہ توجہ سے سنی جاتی۔ اس سے مولانا کے وقار میں اضافہ ہوتا۔

اس عاجز کو نجی مجلسوں میں مولانا سے مختلف امور پر تبادلہ خیال کے مواقع حاصل رہے ہیں۔ ان میں مولانا مودودی، جماعت اسلامی ہند، ملک کی موجودہ صورت حال، جماعت اسلامی ہند کی پالیسی اور پروگرام جیسے موضوعات بھی زیر بحث آتے۔ اس کی تفصیل کا یہ موقع نہیں ہے۔ صرف یہ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ مولانا سے گفتگو بڑے ٹھنڈے اور خوش گوار ماحول میں ہوتی۔ کبھی ناگواری کا احساس تک نہیں ہوا۔ یہ مولانا کی عظمت کی دلیل ہے۔

ایک موقع پر میں نے عرض کیا کہ مولانا میں تو اندر کا آدمی ہوں۔ یہ اطمینان دلانا چاہتا ہوں کہ جماعت پر آپ کی تنقید کو بھی خوش دلی سے برداشت کروں گا اور کوئی غلط فہمی ہو تو اسے رفع کرنے کی کوشش کروں گا۔ البتہ درخواست ہے کہ ماضی کی جگہ موجودہ حالات کے پس منظر میں مسائل پر غور کیا جائے۔ مولانا نے اس سے اتفاق فرمایا اور کہا کہ اس کے باوجود شروع ہی سے بعض مسائل بحث طلب رہے ہیں۔ ضرورت ہے

کہ جماعت کے ذمہ دار اور دیو بند کے اصحاب الرائے ایک ساتھ بیٹھیں اور ان مسائل کو گفت وشنید کے ذریعہ سے حل کریں۔ اس کی نوبت تو نہیں آئی، لیکن خوشی ہے کہ اب ہم ایک دوسرے سے قریب ہیں اور بہتر طریقہ سے ایک دوسرے کو سمجھ رہے ہیں۔

جماعت سے مولانا کے تعلق پر ایک واقعہ یاد آتا ہے۔ چند سال قبل جامعۃ الفلاح بلریا گنج — جس کے ذمہ داروں نے مجھ جیسے کم زور شخص کو شیخ الجامعہ کا اعزاز دے رکھا ہے — کی دعوت پر مولانا نے دیو بند سے بلریا گنج کا پر مشقت سفر کیا۔ شاہ گنج تک بذریعہ ٹرین آمد ہوئی اور وہاں سے بذریعہ کار بلریا گنج پہنچے۔ شب میں پروگرام تھا، اس میں شرکت کی اور خطاب فرمایا۔ بزرگی اور پیرانہ سالی کے باوجود مولانا نے سفر کی جو زحمت برداشت کی، اس پر ہم سب مولانا کے مشکور وممنون تھے۔

ایک اور واقعہ صفحۂ ذہن پر ابھر رہا ہے۔ جماعت کے ایک صاحب علم رفیق جناب ایس امین الحسن صاحب (جو اب نائب امیر جماعت ہیں) اپنے وطن وانمباڑی (تمل ناڈو) میں قرآن مجید کا ایک ترتیب سے درس دیتے تھے۔ یہ سلسلہ تکمیل کو پہنچنے والا تھا کہ انہیں بھی اور سامعین کو بھی خیال آیا کہ 'ختم قرآن' کا بڑے پیمانے پر پروگرام ہونا چاہیے۔ اس میں کسی نامور صاحب علم سے استفادہ کیا جائے۔ اس کے ساتھ خطاب عام بھی ہو، تاکہ بستی کے سب ہی لوگ فائدہ اٹھاسکیں اور موجودہ حالات میں قرآن کی راہ نمائی ان کے سامنے آئے۔ اس کے لیے حضرت مولانا سالم قاسمی کا نام تجویز ہوا۔ مولانا سے درخواست کی گئی۔ انہوں نے از راہ محبت اسے منظوری دے دی اور اس طویل سفر کے لیے آمادہ ہو گئے۔ یہاں تیاری جاری تھی اور دوسری طرف بعض 'خیر خواہ' اس کی مخالفت پر کمر بستہ ہو گئے۔ اس پروگرام کو ناکام کرنے کی تمام ممکنہ تدابیر اختیار کرنے لگے۔ انہوں نے مولانا مرحوم کو بھی اس سفر سے باز رکھنے کی پوری کوشش کی۔ انہیں بتایا کہ یہاں وہ لوگ بڑی تعداد میں ہیں، جو جماعت سے اختلاف رکھتے ہیں اور اسے ایک دینی جماعت نہیں سمجھتے۔ اس کے پروگرام میں آپ کی شرکت سے جماعت کو ایک دینی جماعت ہونے کی سند حاصل ہو جائے گی اور مخالفین کے لیے کچھ کہنا

آسان نہ ہوگا۔ان حضرات کا مقصد مولانا بآسانی سمجھ گئے۔وہ وحدت امت کے قائل تھے۔انہوں نے مخالفین کے اصرار کے باوجود سفر کوملتوی کرنے سے انکار کردیا اور صاف کہہ دیا کہ جماعت کے احباب سے میں نے اس پروگرام میں شرکت کا وعدہ کرلیا ہے۔اس کی خلاف ورزی نہیں ہوسکتی۔مولانا کی شرکت ہوئی اور اس کے اچھے اثرات مرتب ہوئے۔

مولانا محمد سالم قاسمی کا تعلق تصوف سے بھی تھا۔انہوں نے اپنے والد بزرگوار حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب کی راہ نمائی میں اس کے مراحل طے کیے اوران کی طرف سے انہیں بیعت کی اجازت بھی حاصل تھی۔حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ سے بھی انہیں نسبت رہی ہے۔یہ میدان اس خاک سار کا نہیں ہے۔غالباً اس وجہ سے ہمارے درمیان کبھی تصوف زیر بحث نہیں آیا۔

باتیں بڑی بے ترتیب ہیں۔سوائے اس کے کیا عرض کرسکتا ہوں۔لذید بود حکایت دراز تر گفتم۔سمع خراشی کے لیے معذرت چاہتا ہوں۔

توحید اور قیام عدل

مولانا محمد جرجیس کریمی

عقیدۂ توحید اسلام کے بنیادی عقائد میں سے ہے،جس پر ایمان لانے سے انسانی زندگی میں نظم،توازن اوراعتدال پیدا ہوتا ہے اوراس پر ایمان نہ لانے سے وہ بدنظمی،بےاعتدالی اورفساد کا شکار ہوجاتی ہے۔

پیش نظر کتاب چار مباحث پر مشتمل ہے،جن میں عقیدۂ توحید کی وضاحت کی گئی ہے،انفرادی اوراجتماعی زندگی میں اعتدال وتوازن کے اثرات بیان کیے گئے ہیں،نیز عقیدۂ توحید سے محرومی اور شرک والحاد میں آلودگی کے نقصانات اورافکار وخیالات پر پڑنے والے اثرات کا عالمانہ جائزہ لیا گیا ہے۔

صفحات:۹۲ قیمت:۵۰روپے

تہذیب وسیاست کی تعمیر میں اسلام کا کردار

(مقالات سمینار)

مرتبین: ڈاکٹر صفدر سلطان اصلاحی / مولانا محمد جرجیس کریمی

ادارۂ تحقیق وتصنیف اسلامی علی گڑھ کی طرف سے منعقدہ سمینار کے مقالات کا مجموعہ، جس میں تحریک اسلامی ہند کے اکابرین اور قائدین کے خطبات کے علاوہ ملک کے ممتاز مفکرین اور دانش وروں کے کل ۳۶/ مقالات شامل ہیں۔ ان مقالات میں تہذیب وسیاست کے مختلف پہلوؤں کا احاطہ کیا گیا ہے، جن میں مغربی اور اسلامی تہذیبوں کے اجزائے ترکیبی، ان کے درمیان موجود فرق و امتیازات، تہذیبوں کے تصادم کا موجودہ نظریہ، امت مسلمہ کی موجودہ تہذیبی وسیاسی صورت حال، قرآن مجید اور احادیث شریفہ میں حکومت وسیاست کے تصورات، موجودہ طریقۂ انتخاب، پارلیمانی نظامِ حکومت، تکثیری معاشرے کے مسائل جیسے اہم مباحث اور معروف علمائے سلف اور جدید مفکرین کی وقیع کتب کے تجزیاتی مطالعے پیش کیے گئے ہیں۔

یہ ایک ایسی دستاویز ہے جو قوم وملت کی علمی رہ نمائی اور موجودہ پیچیدہ حالات کے تقاضوں کے فہم وادراک اور اس کی روشنی میں اپنے لائحۂ عمل کے تعیین میں ممدو معاون ثابت ہوگی۔ کل صفحات ۸۳۶، قیمت: ۶۰۰ روپے صرف

ملنے کے پتے

☆ مرکزی مکتبہ اسلامی پبلشرز، ڈی ۳۰۷، دعوت نگر، ابوالفضل، جامعہ نگر، نئی دہلی۔ ۲۵

☆ ادارۂ تحقیق وتصنیف اسلامی ، نبی نگر، جمال پور، علی گڑھ۔ ۲۰۲۰۰۲

تعارف وتبصرہ

بچوں کی تربیت کے رہ نما اصول مؤلف: ڈاکٹر مامون مبیض
(نفسیاتی اصولوں کی روشنی میں) مترجم: ڈاکٹر محمد طارق ایوبی ندوی

ناشر: حجۃ الاسلام اکیڈمی، دیوبند، ۲۰۱۹ء، صفحات: ۴۲۴، قیمت: ۳۰۰ روپیے

بچے اللہ کا بیش بہا انعام اور والدین کی زندگی کا قیمتی سرمایہ ہوتے ہیں۔ ان کی تعلیم وتربیت جس ماحول میں اور جس طریقے سے ہوتی ہے اس کے اثرات معاشرے پر پڑتے ہیں۔ بچوں کی تعلیم وتربیت کے سلسلے میں جو کوششیں ہورہی ہیں، واقعہ یہ ہے کہ وہ قابلِ اطمینان نہیں ہیں۔ اس کے لیے نصاب میں تبدیلی ہوتی رہتی ہے۔ تعلیم وتربیت پر مبنی کتابیں شائع ہوتی ہیں اور مختلف پروگرام منعقد ہوتے ہیں، لیکن ان کا خاطر خواہ نتیجہ سامنے نہیں آرہا ہے۔ تعلیم کے لیے اعلیٰ مکاتب، اسکولس اور کالجز تو کھل چکے ہیں، لیکن ایسی تربیت کا سامان میسر نہیں ہے جو بچے کے اندر بنیادی انسانی اور اخلاقی اقدار پروان چڑھا سکے۔ اردو زبان میں جن مصنفین نے بچوں کے اخلاقی اور تربیتی ادب میں قابل قدر اضافہ کیا ہے، ان میں مشہور ماہرِ تعلیم افضل حسینؒ، مائل خیرآبادیؒ، عرفان خلیلی، علی اصغر چوہدریؒ، طالب الہاشمیؒ، مرتضی ساحل تسلیمیؒ اور سراج الدین ندوی کے نام نمایاں ہیں۔

زیر نظر کتاب 'بچوں کی تربیت کے رہ نما اصول' شامی عالم ڈاکٹر مامون مبیض کی عربی کتاب **أولادنا من الطفولة الی الشباب** کا اردو ترجمہ ہے۔ نفسیات اور تربیت اطفال کے موضوعات پر موصوف کی کئی اہم کتابیں شائع ہو چکی ہیں۔

یہ کتاب چار ابواب پر مشتمل ہے: بابِ اول 'تربیت اولاد اور گھریلو زندگی' کے عنوان سے ہے۔ بابِ دوم میں بارہ فصلیں ہیں۔ اس میں بچے کی نشو ونما کے مختلف ادوار کا تذکرہ کیا گیا ہے اور اس پہلو کی طرف توجہ دلائی گئی ہے کہ بچہ جیسے جیسے بڑا ہوتا ہے، اس کی جسمانی ساخت کی نشو ونما کے ساتھ اس کے اندر ذہانت وفطانت، احساس وجذبات اور شعور بیدار ہونے لگتا ہے۔ اس کی اپنی جداگانہ فطری صلاحیتیں ہوتی ہیں۔

اس لیے کسی بچے کا دوسرے بچے سے تقابل نہیں کرنا چاہیے، بلکہ اسے اس کی فطری صلاحیتوں سے واقف کرانا چاہیے اور ان صلاحیتوں کو جلا بخشنے کے لیے اس کی حوصلہ افزائی ہوتی رہنی چاہیے۔

باب سوم کا عنوان ہے: 'بچپن کے ابتدائی سالوں میں تربیت میں پیش آنے والی مشکلات'۔ اس میں سونے جاگنے، غذائیت اور قضائے حاجت کی تربیت سے متعلق امور پر بحث کی گئی ہے۔

باب چہارم میں دس فصلوں کے تحت تربیت سے متعلق اہم پہلوؤں پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ بچہ اپنے لیے کس طرح کا برتاؤ اور توجہ چاہتا ہے؟ منفی برتاؤ کے بچے پر کیا اثرات مرتب ہوتے ہیں؟ اس سوالات کے جوابات دیے گئے ہیں۔ دو فصلیں 'حوصلہ افزائی' (encouraging) اور 'توجہ کے ساتھ سننا' کے عنوان سے ہیں۔ ان میں مؤلف نے اس بات پر زور دیا ہے کہ بچوں کی تربیت اور کردار سازی میں یہ چیزیں بہت اہم رول ادا کرتی ہیں۔ ایک فصل بہ عنوان 'سزا' میں اس طرف توجہ دلائی گئی ہے کہ بچے کو نہ بے جا سزا دی جائے اور نہ ہی بے جا ڈھیل مناسب ہے۔

دو فصلیں 'خاندانی مشاورتی ملاقاتیں' (family discussion) اور 'تربیت میں حقیقت پسندی اور امیدیں' کے عنوان سے ہیں۔ آخر الذکر فصل میں مؤلف نے والدین کی ذمہ داری پر گفتگو کی ہے۔

تربیتی امور پر یہ اہم اور رہ نما کتاب ہے۔ اس میں نفسیاتی اور فطری اصولوں کی روشنی میں تربیت کے عناصر پر سیر حاصل بحث کی گئی ہے۔ ہر باب میں مثبت و منفی مزاج، رویے اور عمل کے نتائج اور جدول بھی شامل کیے گئے ہیں، تاکہ تربیت کے بہتر، مثبت اور نفسیاتی امور کے مفید اثرات کو سمجھا جا سکے۔

اس مفید کتاب کی پیش کش پر مترجم اور ناشر مبارک باد کے مستحق ہیں۔

(محمد انس فلاحی مدنی)

اہم عصری مسائل — تجزیہ اور حل پروفیسر سید مسعود احمد

ناشر: مرکزی مکتبہ اسلامی پبلشرز، نئی دہلی، ۲۰۲۰ء، صفحات: ۲۱۶، قیمت ۔/۱۵۰ روپے

موجودہ دنیا ترقی کے نام پر جس زوال کی طرف رواں دواں ہے اور صنعتی انقلاب کے نام پر نظامِ فطرت جس تیزی سے متأثر ہو رہا ہے اس کی سنگینی کے خیال سے روح کانپ اٹھتی ہے۔ اس تغیر کا اثر انسانوں سے متجاوز ہوکر حیوانات، نباتات، جمادات اور ان بے شمار مخلوقات تک پہنچ گیا ہے جن کا باقی رہنا کائنات کے فطری نظام کے لیے بہت ضروری ہے۔ اس کے باجود انجام سے بے پروا لوگوں کا دعویٰ ہے کہ وہ روز بروز ترقی کے نئے نئے منازل طے کر رہے ہیں، حالاں کہ حقیقت اس کے بالکل برخلاف ہے۔ انھیں اس کا بالکل اندازہ نہیں ہے کہ نگاہ کو خیرہ کر دینے والی ترقی اپنے پیچھے افراد اور سماج کے لیے کیا کیا مشکلات لا رہی ہیں؟ کتنے بے شمار جرائم اور مہلک بیماریاں پیدا ہو رہی ہیں جو نسلِ انسانی کے لیے تباہ کن اور مضر اثرات کی حامل ہیں۔ آج مسابقت کے دور میں انسانوں کی اکثریت ذہنی تناؤ کا شکار ہے، جرائم کی بہتات ہے، بے اعتمادی عام ہے، ہر طرف بے چینی اور اضطراب کا ماحول ہے، لوگوں کو امن وسکون کی تلاش ہے، لیکن اس کے حصول کا طریقہ نا معلوم ہے۔ انسانی حقوق کی پاس داری کا دعویٰ ہے، لیکن ان کی خوب پامالی ہو رہی ہے۔

پروفیسر سید مسعود احمد کی زیرِ نظر کتاب 'اہم عصری مسائل: تجزیہ اور حل' انھی اہم مشکلات کی نشان دہی کرنے اور خالقِ ارض وسماء کے بتائے ہوئے طریقے کی روشنی میں ان کا حقیقی حل تلاش کرنے کی سمت ایک سنجیدہ کوشش ہے۔ اس میں انسان کو اس کے اصلی جوہر سے رُوشناس کرانے اور اسی کی روشنی میں اپنے تمام مسائل حیات کو حل کرنے کی ترغیب دی گئی ہے۔

کتاب آٹھ (۸) ابواب پر مشتمل ہے۔ مصنف کا کمال ہے کہ انھوں نے انتہائی اہم موضوعات کو چند صفحات میں سمیٹ دیا ہے۔ پہلا باب 'ذہنی تناؤ' کی تعریف،

اس کے اسباب ونتائج اور نقصانات سے بحث کرتا ہے۔ دوسرے باب میں عالمی سطح پر' تشدد اور جرائم کی کثرت' پر روشنی ڈالتے ہوئے اس کے اقسام وانواع کے ذکر کے ساتھ اس سے نجات کا بہترین حل پیش کیا گیا ہے۔ تیسرا باب' انفرادی واجتماعی سکون قلب' کی اہمیت کو اجاگر کرتا ہے اور اس کے حصول کا بہترین طریقہ پیش کرتا ہے۔ چوتھے باب میں' حقیقی امن اور سکون قلب' کے لیے اللہ پر کامل اعتقاد اور اسی کے بتائے ہوئے طریقے کو اختیار کرنے کی ترغیب دی گئی ہے۔ پانچویں باب میں' قرآن کا تصورِ امن' پیش کرنے کے ساتھ اسلام اور اہلِ اسلام پر دہشت گردی کا الزام لگانے والوں کا مُسکت جواب دیا گیا ہے۔ چھٹا باب' ماحولیاتی بحران' سے بحث کرتا ہے۔ اس میں بحران کے دس بڑے مظاہر کی وضاحت کی گئی ہے۔ ساتویں باب میں' پیہم ترقی کا قیام کیسے'؟ کے عنوان سے ماحولیاتی بحران کے تناظر میں اقوام متحدہ کے پلیٹ فارم سے کی جانے والی کوششوں کا تذکرہ ہے۔ آٹھویں باب' پائدار اور حقیقی ترقی : کیا اور کیسے؟' میں ترقی کی متعدد قسموں کو بیان کرتے ہوئے اس کے لیے اختیار کیے گئے طریقوں کی خرابیوں کو بے نقاب کیا گیا ہے۔

یہ کتاب جہاں ایک طرف اہم عصری مسائل سے متعلق معلومات سے لبریز ہے وہیں دوسری طرف موجودہ عالمی بحران سے نبرد آزما ہونے کے لیے ایک بہترین حل بھی پیش کرتی ہے۔ مصنف نے لکھا ہے کہ ان مسائل سے نمٹنے کیلئے روحانی اور مادی طریقوں کو اختیار کرنے کے ساتھ ضروری ہے کہ انفرادی اور اجتماعی طور پر ہر شخص اپنی ذمہ داری ادا کرے اور اس کے لیے جد و جہد کرے۔ کتاب کا اسلوب علمی اور تجزیاتی ہے۔ جدید اصطلاحات کی حسبِ ضرورت جا بجا تشریح کی گئی ہے، جس سے قاری کو کافی حد تک آسانی ہوجاتی ہے۔ کتاب کے آخر میں مراجع کی کوئی فہرست نہیں دی گئی ہے۔ اگر ہوتی تو قارئین کو براہ راست اصل مصادر تک رسائی میں آسانی ہوتی۔ ضرورت محسوس ہوتی ہے کہ ایسی کتابوں کو دوسری زبانوں میں بھی منتقل کیا جائے، تاکہ ان سے استفادہ کا دائرہ مزید وسیع ہو اور ہر طبقہ کے لوگ ان سے استفادہ کرسکیں۔

(محمد صادر ندوی)

خبرنامہ ادارۂ تحقیق وتصنیفِ اسلامی (۷۸)

☆صدرِ ادارہ مولانا سید جلال الدین عمری کی تازہ کتاب 'احکام ہجرت وجہاد' مرکزی مکتبہ اسلامی پبلشرز،نئی دہلی سے شائع ہوگئی ہے۔ جہاد کے موضوع پر مولانا کے متعدد مقالات سہ ماہی تحقیقات اسلامی میں شائع ہوئے تھے۔موصوف نے ان پر نظر ثانی کرنے کے ساتھ بعض نئے مباحث کا اضافہ کرکے یہ کتاب تیار کی ہے۔اس میں جہاد کی قسمیں،احکام،مقاصد،غرض وغایت ، اظہارِدین کا معنیٰ ومفہوم اور جہاد پر ہونے والے اعتراضات کا بھرپور جائزہ لیا گیا ہے۔صفحات: ۱۸۰، قیمت: ۱۶۰/روپے،مجلد: ۲۰۰/روپے۔

☆ مولانا عمری کی ایک کتاب 'جماعت اسلامی ہند: پس منظر، خدمات اور طریقۂ کار' کے نام سے کچھ عرصے پہلے مرکزی مکتبہ اسلامی پبلشرز سے شائع ہوئی تھی۔اسے بہت مقبولیت حاصل ہوئی ہے۔حال میں اس کا نواں ایڈیشن طبع ہوا ہے۔ اسی طرح سیرتِ نبوی پر مولانا کے ایک کتابچہ' رحمۃ للعالمین۔سیرت اور تعلیمات' کا چوتھا ایڈیشن بھی مکتبہ سے شائع ہوا ہے۔

☆ ۱۲/نومبر ۲۰۲۰ء کو رائٹرس فورم کا پروگرام ڈاکٹر محمد شہاب الدین قاسمی کی صدارت میں منعقد ہوا۔اس میں ادارہ کے اسکالر جناب شارق شہیدی نے اپنا مقالہ بہ عنوان 'دین کی تعبیر وتشریح میں بنیادی مصادر سے رجوع۔مسلکی تحفظات کے تناظر میں' پیش کیا۔آخر میں صدر مجلس نے اس پر تبصرہ کیا اور مقالہ نگار کی ہمت افزائی کے ساتھ اسے مزید بہتر بنانے کے لیے مفید مشورے دیے۔

☆۱۶/نومبر ۲۰۲۰ء کو مشہور محقق ڈاکٹر محمد اجمل ایوب اصلاحی ادارہ تشریف لائے۔اس موقع پر ایک علمی نشست منعقد کی گئی۔سکریٹری ادارہ نے مہمان محترم کا تعارف کرایا۔اس کے بعد فاضل محقق نے تحقیق وتصنیف کے صحیح منہج،قدیم ترین مصادر ومراجع سے استفادہ کے اصول وآداب،جاہلی ادب،عربی زبان وادب اور لغت نویسی کی تاریخ اور ارتقاء کے مراحل پر سیر حاصل گفتگو کی۔

☆ جماعت اسلامی ہند، حلقۂ اتر پردیش مغرب کی جانب سے دسمبر ۲۰۲۰ء میں آن لائن ازدواجی تفہیمی پروگرام منعقد کیا گیا۔ اس میں سکریٹری ادارہ مولانا اشہد جمال ندوی نے دو موضوعات: 'ازدواجی رشتے میں مثبت و منفی نقطۂ نظر کی اہمیت' اور 'اگر علیٰحدگی ناگزیر ہو جائے' پر لیکچر دیے۔

☆ ۲۷/ نومبر ۲۰۲۰ء کو اسٹوڈنٹس اسلامک آرگنائزیشن (SIO) تلنگانہ کی جانب سے ایک ویبینار بعنوان 'مابعد جدیدیت اور حضرت محمد ﷺ کا اسوۂ حسنہ و کاملہ' منعقد ہوا۔ اس میں رفیقِ ادارہ مولانا محمد انس فلاحی مدنی نے 'مابعد جدیدیت: مغربی نظریات کی ناکامی اور دعوتِ دین کے امکانات' کے عنوان پر اپنا مقالہ پیش کیا۔

☆ ۲۷/ دسمبر ۲۰۲۰ء کو 'مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ ریسرچ سینٹر' لکھنؤ کی جانب سے ایک سیمینار 'بھارت کے مسائل اور قرآن مجید کی رہ نمائی' کے مرکزی عنوان پر منعقد ہوا۔ اس میں رفیقِ ادارہ مولانا محمد کمال اختر قاسمی نے شرکت کی اور 'ہندوستان کے چند حسّاس مسائل اور قرآن مجید کی رہ نمائی' کے عنوان پر مقالہ پیش کیا۔

☆ ادارہ کے وابستگان اور متوسلین کے لیے یہ خبر بہت افسوس اور صدمہ کا باعث ہوگی کہ ڈاکٹر محمد رفعت سابق پروفیسر ڈپارٹمنٹ آف اپلائڈ سائنسز، فیکلٹی آف انجینیر نگ اینڈ ٹیکنالوجی، جامعہ ملیہ اسلامیہ، نئی دہلی کی ۸/ جنوری ۲۰۲۱ء کو وفات ہوگئی۔ وہ گزشتہ تقریباً ایک برس سے بیمار تھے۔ موصوف ادارۂ تحقیق و تصنیف اسلامی کی مجلس منتظمہ کے بانی رکن اور شروع سے اس کے خازن تھے۔ ان کا شمار جماعت اسلامی ہند کے فکری رہ نماؤں میں ہوتا تھا۔ وہ جماعت کی مجلس نمائندگان اور مرکزی مجلس شوریٰ کے رکن اور سینٹر فار اسٹڈی اینڈ ریسرچ کے چیرمین تھے۔ ۱۲/ جنوری ۲۰۲۱ء کو ڈاکٹر صاحب پر ایک تعزیتی اجلاس منعقد ہوا، جس میں ان کے رفقاء، معاصرین اور اصحابِ علم نے ان کو یاد کیا اور ان کی خدمات پر روشنی ڈالی۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ ان کی خدمات کو قبول فرمائے اور انہیں جنت الفردوس میں جگہ دے۔

ISSN:2321-8339

Organ of Idara-e-Tahqeeq-o-Tasneef-e-Islami

Quarterly

TAHQEEQAT-E-ISLAMI
ALIGARH

Vol. 40 No.1

January - March 2021

Editor

Syed Jalaluddin Omari

Asstt. Editor

Muhammad Raziul Islam Nadvi

Idara-e-Tahqeeq-o-Tasneef-e-Islami

Nabi Nagar (Jamalpur)، P.O. Box: 93

ALIGARH - 202 002 (INDIA)

www.tahqeeqat.net Email: tahqeeqat@gmail.com

CONTENTS

1. **Evidences of Truthfulness of the Qur'an** 5

Syed Jalaluddin Umari

2. **A Critical Analysis of the Translation of Qur'an by Hafiz Farman Ali** 17

Dr. Inamullah Wattoo

3. **Ancient English Literature and Islam** 35

***Mr.** Zaryab Ahmad Falahi*

4. **Index of Ahadith Prepared by Orientalists** 53

Dr. Muhammad Raziul Islam Nadvi

5. **Shari'ah Rulings on Mulct or Financial Penalty** 73

Maulana Waliullah Majeed Qasmi

6. **Young Sahaba (R.A) in Makkan Period and Their Services** 93

Mr.Abid ul Hassan

6. **Maulana Muhammad Salim Qasmi - Epitome of Muslim Unity** 109

Maulana Syed Jalaluddin Umari

7. **Book Reviews** 115

Activities of Idara-e- Tahqee-o-Tasneef-e-Islami 119

Abstract of the Articles

Evidences of Truthfulness of the Qur'an

Syed Jalaluddin Umari

President Idara -e-Tahqeeq-o-Tasneef-e-Islami, Aligarh

And Chairman Shri'ah Council, Jamaat-e-Islami Hind

The evidences the Qur'an has presented about its truthfulness and authenticity can be divided in three categories: (1) Universal Evidences, (2) Psychological Evidences, and (3) Historical Evidences. Universal evidences mean intellectual evidences. Drawing the attention of readers towards the objects of nature like the sky and earth, stars and planets, land and sea, plants and trees, etc. the Qur'an repeatedly enjoins humans to brood over them so that they may attain the realisation of Allah, the One and Alone. Likewise, the Qur'an says that if man broods over his own creation, it would lead him to Allah. Besides, the Qur'an has also given evidences from history. It says that Messengers of Allah came to earlier nations; they conveyed the Message of Allah to them and called upon their respective nations to keep from disobedience of and revolt from Allah. But, when they did not pay heed to the Message and remained immersed in disobedience and revolt, they were given ultimatum and eventually annihilated. This was the attitude of civilized nations of the past. The civilized nations of today can learn a lesson therefrom.

A Critical Analysis of the Translation of Qur'an by Hafiz Farman Ali

Dr. Inamullah Wattoo
Assistant Professor
Department of Social & Allied Sciences
Cholistan University of Veterinary & Animal Sciences, Bahawalpur, Punjab (Pakistan)
inamullah@cuvas.edu.pk

Shiaism is a major sect of Muslim Ummah and labels them as mominin. Though they base their belief on some major and controversial historical events like the Battles of Siffin, Jamal and Karbala yet they distinguish themselves in various basics of Shari'ah from the other major sects of the Muslim Ummah called Ahl-e-Sunnah. Like Ahl-e-Sunnah, they have worked a lot on the Holy Qur'an and have written many commentaries of the Holy Qur'an. They claim that they base their tafsir on the sayings and maxims of Aimmah Masumin. But, they transgress Ahadith-e-Mutawatira, literal as well as contextual meanings of the Qur'anic words to prove their school of thought. One of such mufassirin is Sayyid Hafiz Farman Ali Shah, who translated and wrote short commentary on the Holy Qur'an. This article following is a critical analysis of his commentary named as Al Qur'an-al-Hakeem Mutarjam (translated).

Ancient English Literature and Islam

Mr. Zaryab Ahmad Falahi
Naththu Patti,Chand Patti, Azamgarh
zaryabahmadteacher@gmail.com

This article is a humble study of the portrait of Islam, the venerable Prophet Muhammad(SA) and the noble Qur'an in the Anglo-Saxon period (560-1066) of the English literature. In the earlier part of this period, Islam didn't draw much attention. Bishop Isidore (560-636), a contemporary of

the Prophet (SA), thought little about Islam. He didn't recognise Islam as a separate reality, but the later part does allude to Islam. John of Damascus (675-749) emerges as the real founder of the Christian/Western biased and distorted studies and false propaganda of Islam. He projected Islam as the last and greatest of the Christian heresies facing the Church. He considers Islam the religion of idolators, among whom a false prophet 'Mamed' arose. He preached that a renegade Arian monk *'Buhaira'* exposed Mamed to Christian beliefs and Mamed used Christian sources to write the Qur'n.

Afterwards, the Church, priests, bishops and Cynewulf, etc. further contributed to fabricating in the West a false, rather repulsive image of Islam, the Prophet and the Qur'an.

This article acquaints the Urdu-speaking Muslims with the Western views of Islam and help them serve Islam in a better way.

Index of Ahadith Prepared by Orientalists

Dr. Muhammad Raziul Islam Nadvi

Asst. Editor, Tahqeeqat-e-Islami and

Secretary Shri'ah Council, Jamaat-e-Islami Hind

mrnadvi@gmail.com

Arent Jan Wensinck, a renowned orientalist, along with his colleagues, prepared index of nine books of ahadith known as Al Sihah al-Sitta, Muatta Imam Malik, Sunan Darmi, and Musnad Ahmad; this book is known as Al-Mu'jam al-Mufahras li-Alfaz al-Hadith al-Nabawi. If one has to search any hadith in these hadith books, or wants to know in which books a particular hadith has been recorded, it can be done very easily with the help of this book.

The period of compilation of this book covers 65 years (1922-1987). Almost same is the number of researchers who rendered their academic services to this project. This book is a good example of collective research, a new trend

kicked up in the west.

This article deals with the period of compilation of this book, its various stages, way of compilation, academic contributors, advisory body, institutions that lent financial support to this project, stages of composing and publication, etc.

Shari'ah Rulings on Mulct or Financial Penalty

Maulana Waliullah Majeed Qasmi
Shaikh al-Hadith, Jamiatul Falah, Bilariaganj, Azamgarh
wmqasmi@gmail.com

Tazir (mulct or financial penalty) is the punishment of the crime, for which Shari'ah has not specified any punishment or atonement. Rather it has been left to the discretion of the jury, who can pronounce proper punishment to the criminal. There are many kinds of *Tazir* such as physical, mental and financial. Also, there are four kinds of financial penalty: (1) *Itlaf*: It means destruction of the property of the criminal as punishment for his crime. (2) *Tabdili*: It means effecting such change in the disputed property or wealth or in any impermissible thing as can remove its impermissibility. (3) *Habs*: It means seizing the wealth of the criminal for a certain period so that he may learn a lesson, and after his seeking forgiveness from Allah and reformation it should be returned to him. (4) *Tamlik*: It means seizing the wealth of the criminal and handing it over to the poor or depositing it in government treasury.

This article discusses all these kinds of *Tazir* with the difference of opinions among the Ulama as well as their arguments in this regard.

Young Sahaba (R.A) in Makkan Period and Their Services

Mr.Abidul Hassan
M.Phil (Islamic Studies)
Mirpur University of Science & Technology (MUST), Mirpur A.K
auhsmm@gmail.com

There are tremendous religious services of young Companions (R.A) of the Prophet (SA) during the Makkan period of prophethood. During this period both the Prophet (SA) and his Companions faced a lot of obstacles in the way of preaching Islam but the Prophet (SA) prepared his Companions for all the troubles and hardships in *D a r al-Arqam*. These young Companions presented themselves in the way of Islam and it can be seen as Hazrat Jafar bin Tayyar (R.A) did in the court of Habshah, Hazrat Umar (R.A) helped in sermonising of Islam and as Hazrat Ali (R.A) lay down in the bed of the Prophet (SA) on the night of Hijrah. Hazrat Sa'd (R.A) not only refused to obey His mother, rather He risked His life by fighting the infidels in defence of Islam. They presented their character, faith, good manners, honesty and purity which influenced other people to embrace Islam.

Even today, in order to awaken religious spirit in the youth, it is necessary to highlight the religious services of the young Companions (R.A). In this article, the life and character of the young Companions (R.A) has been described. The young generation prefers the life of luxuries and grandeur but these young Companions outright declined all the magnificence and worldly leisure and devoted themselves to the spread of Islam. Whether it is about tutoring of the Qur'an, publication of Hadith, following the path of the Prophet (SA), summoning towards Islam or anything that helped in proliferation of Islam, the Companions fulfilled the responsibility more than their might. In short, these Companions bore all the difficulties in the way of spreading

knowledge and implication of Islam and we should follow the footsteps of these Companions to succeed in this world and the life hereafter.

Maulana Muhammad Salim Qasmi Epitome of Muslim Unity

Maulana Syed Jalaluddin Umari
Chairman Shri'ah Council, Jamaat-e-Islami Hind

An international seminar on the Life and Services of Maulana Muhammad Salim Qasmi, former Muhtamim Darul Uloom Deoband & Vice President AIMPLB was held in Deoband on 12-13 August 2018. Maulana Syed Jalaluddin Umari participated in this seminar and presented a paper in brief on the subject. This paper is being produced here.

In this article Maulana Umari throwed light on the various aspects of Maulana Muhammad Salim Qasmi. He presented the salient features of the oratory of Maulana Qasmi. He has brought into light the services Maulana Qasmi rendered to the Muslim Ummah. He has also referred to certain happenings which show the writer's personal close relationship with Maulana Qasmi.

BOOK REVIEWS

1. *Bachchon ki Tarbiyat ke Rahnuma Usool-Nafsiyati Usulon ki Roshni Men*(Guiding Principles of the Moral Training of Children in the Light of Psychological Ethics),Dr. Mamoon mubeez, Transalated by Dr. Muhammad Tariq Ayyubi Nadwi, Hujjatul Islam Academy, Deoband,2019., Pages :424, Price IRs.300/-

Reviewed by Ml. Muhammad anas falahi madani

2. *Aham Asri Masael-Tajzia aur Hal*(Important Contemporary Issues -Analysis and Solutions)Prof.Masood Ahmad,MMIPublishers,2020.Pages:216,Price:IRs.150/-

Reviewed by Ml. Muhammad Sadir nadwi

اسلامی خاندان

آداب ازدواج	مولانا سید احمد عروج قادریؒ	25.00
خاندان کی اصلاح اور اولاد کی تربیت	مولانا سید جلال الدین عمری	24.00
مسلم پرسنل لا کے بعض مسائل	مولانا سید جلال الدین عمری	23.00
اسلامی نظام وراثت میں عورت کا حصہ	ڈاکٹر محمد رضی الاسلام ندوی	18.00
اسلام عصمت نسواں کا محافظ	ڈاکٹر محمد رضی الاسلام ندوی	18.00
عورت، خاندان اور سماج	ڈاکٹر محمد رضی الاسلام ندوی	95.00
عائلی زندگی کے اسلامی اصول	ڈاکٹر محمد رضی الاسلام ندوی	30.00
قرآن مجید کی عائلی تعلیمات	ڈاکٹر محمد رضی الاسلام ندوی	18.00
اصلاح معاشرہ	ڈاکٹر فضل الرحمن فریدیؒ	30.00
اصلاح معاشرہ کی اہمیت	حافظ ابن رجبؒ	23.00
گھریلو جھگڑے	ڈاکٹر ابن فریدؒ	62.00
چھوٹی بہو	ڈاکٹر ابن فریدؒ	60.00
ہم کیسے رہیں؟	ڈاکٹر ابن فریدؒ	50.00
بچے کی تربیت	ڈاکٹر ابن فریدؒ	135.00
والدین کے حقوق اور صلہ رحمی	مولانا سید لطف اللہ قادری	38.00
عصر حاضر میں ازدواجی زندگی کے مسائل	ڈاکٹر صلاح الدین عبدالحلیم سلطان	35.00
اسلام کا معاشرتی نظام	(مجموعۂ مقالات)	60.00
اسلامی خاندان	(مجموعۂ مقالات)	72.00
مثالی گھر اسلام کی نظر میں	(مجموعۂ مقالات)	45.00

مرکزی مکتبہ اسلامی پبلشرز، نئی دہلی-۲۵ **MMI PUBLISHERS**

D-307,Dawat Nagar,Abul Fazl Enclave,Jamia Nagar,New Delhi-110025

Mob: 7290092401, Customer Care 7290092403

E-mail: info@mmipublishers.net,mmipublishers@gmail.com **Website:** www.mmipublishers.net

R.No. 38933/81
January - March 2021

Quarterly
Tahqeeqat-e-Islami
Aligarh

Mob. +91-9412671962
+91-9897746586

مولانا سید جلال الدین عمری کی تالیفات

شمار	نام کتاب	قیمت
۱	تجلیاتِ قران	۳۲۵/
۲	اسلام-انسانی حقوق کا پاسبان	۹۰/
۳	غیر اسلامی ریاست اور مسلمان	۲۵/
۴	کم زور اور مظلوم اسلام کے سایہ میں	۵۰/
۵	صحت ومرض اور اسلامی تعلیمات	۲۵۰/
۶	خدا اور رسول کا تصور-اسلامی تعلیمات میں	۱۴۰/
۷	معروف ومنکر	۱۸۵/
۸	اسلام کی دعوت	۲۲۵/
۹	غیر مسلموں سے تعلقات اور ان کے حقوق	۱۸۵/
۱۰	تحقیقات اسلامی کے فقہی مباحث	۱۰۰/
۱۱	تہذیب وسیاست کی اسلامی قدریں	۶۵/
۱۲	عورت-اسلامی معاشرے میں	۲۶۰/
۱۳	مسلمان عورت کے حقوق اور ان پر اعتراضات کا جائزہ (مجلد)	۱۳۰/
۱۴	عورت اور اسلام • مجلد /۱۱۰ • عام	۶۰/
۱۵	اسلام کا عائلی نظام	۱۰۵/
۱۶	مسلمان خواتین کی ذمہ داریاں	۴۲/
۱۷	قرآن کا نظام خاندان	۲۴/
۱۸	اسلام-ایک دین دعوت	۲۵/
۱۹	دعوت وتربیت-اسلام کا نقطہ نظر	۵۵/
۲۰	راہیں کھلتی ہیں • مجلد /۱۴۰ • عام	۹۵/
۲۱	سبیل رب-دعوت الی اللہ کا راستہ	۴۵/
۲۲	اوراقِ سیرت	۲۵۰/
۲۳	خطبات پاکستان	۱۰۰/
۲۴	عصر حاضر میں اسلام کے علمی تقاضے	۵۲/
۲۵	انسان اور اس کے مسائل	۴۰/
۲۶	اسلام اور مشکلات حیات	۴۵/
۲۷	خدا کی غلامی-انسان کی معراج	۱۴/
۲۸	اسلام اور وحدت بنی آدم	۱۶/
۲۹	اسلام میں خدمت خلق کا تصور	۱۱۰/
۳۰	انفاق فی سبیل اللہ	۴۵/
۳۱	دولت میں خدا اور بندوں کا حق	۱۶/
۳۲	انسانوں کی خدمت-اسلام کی نظر میں	۱۶/
۳۳	جماعت اسلامی ہند-پس منظر، خدمات اور طریقۂ کار	۴۳/
۳۴	ہم تحریک اسلامی کے کارکن کیسے بنیں؟	۱۸/
۳۵	ملک وملت کے نازک مسائل اور ہماری ذمہ داریاں	۳۲/
۳۶	یہ ملک کدھر جا رہا ہے؟	۳۵/
۳۷	بچے اور اسلام	۱۴/
۳۸	خاندان کی اصلاح اور اولاد کی تربیت	۲۰/
۳۹	فقہی اختلافات کی حقیقت	۲۵/
۴۰	بعض اہم اسلامی اصطلاحات کی تشریح	۱۸/
۴۱	سوئے حرم چلا	۳۲/
۴۲	دینی علوم کی تدریس	۱۴/

ملنے کے پتے:

۱- ادارہ تحقیق وتصنیف اسلامی، نبی نگر، پوسٹ بکس نمبر: ۹۳، علی گڑھ-۲

۲- مرکزی مکتبہ اسلامی پبلشرز، ڈی-۳۰۷، ابوالفضل انکلیو، نئی دہلی-۲۵